جنوری 2011ء
محرم/صفر 1432ھ

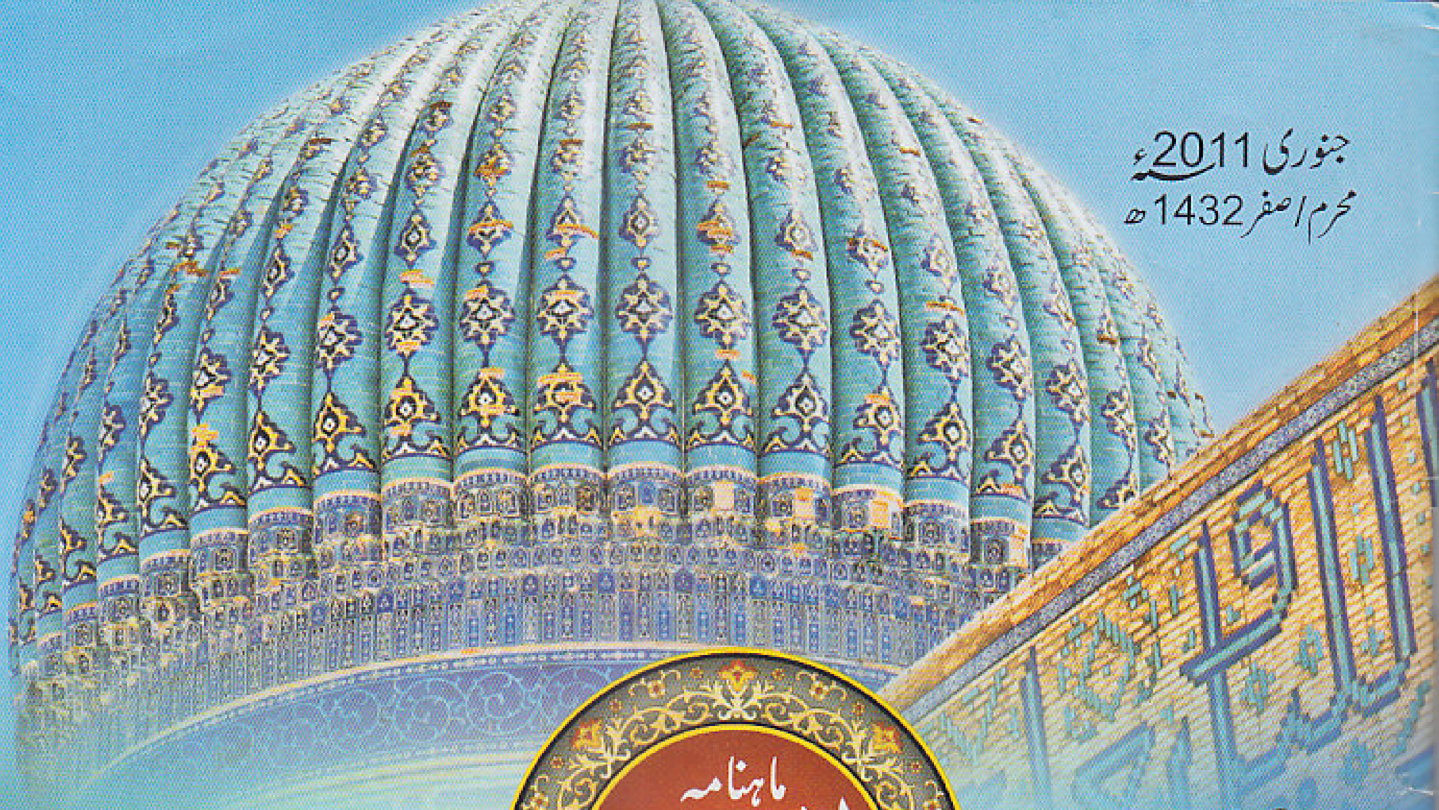

ماہنامہ

المرشد

اللہ رسول محمد

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ
عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ (مسلم . ابوداؤد)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور کریم ﷺ اپنے اوقات
میں زندگی کے ہر لمحے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے''

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب
کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

''عبادات جتنی بھی ہیں ان کا حاصل اس دنیا میں کردار کی
اصلاح ہے اور آخرت میں اللہ کے انعامات ہیں''

حضرت شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

بانی حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ
سرپرست حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ماہنامہ
المرشد

جنوری 2011ء محرم / صفر
جلد نمبر 32 شمارہ نمبر 5
مدیر محمد اجمل
سرکولیشن منیجر: راناجاوید احمد
قیمت فی شمارہ 25 روپے
PS/CPL#15

فہرست

اداریہ	ابوالاحمدین	3
کلام شیخ	سیماب اویسی	4
اقوال شیخ	انتخاب	5
بیان اجتماع دسمبر 2010ء	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	7
حافظ عبدالرزاق	جمیل شاہ ایبٹ آباد	16
مسائل السلوک	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	23
نفس اور شیطان کے مکروفریب	فیض الرحمن اسلام آباد	27
خلوص سے توبہ کرو	اکرم التفاسیر	36
ذکر اللہ کی اہمیت	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	46
تین راتوں کی کہانی	انور علی شاہ راولپنڈی	47
Knowledge of Divine Cognition		53
A Life Eternal		56

بدل اشتراک

پاکستان	250 روپے سالانہ
بھارت اسری لنکا ربنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطی کے ممالک	100 ریال
برطانیہ۔یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 0423-6314365 ناشر۔ عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔
Ph:042-35182727, Fax: 042-35180381, email: monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نورپور ضلع چکوال۔
Ph: 0543-562200, Fax: 0543-562255, email: darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرز تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

فساد کی حقیقت

واذ قیل لھم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون الا انھم ھم المفسدون ولکن لایشعرون۔

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد پیدا نہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح چاہتے ہیں۔ اس آیہ کریمہ نے اصلاح و فساد کا معیار مقرر فرما دیا ہے۔ اگر حدود متعین نہ ہوں تو کوئی ڈاکو بھی خود کو فسادی نہیں کہتا بلکہ اپنی حرکات کا جواز تلاش کرتا ہے مگر یوں کسی کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اس کائنات کا خالق خود فیصلہ نہ فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جو اندرونی اور باطنی طور پر دین سے اختلاف رکھتے تھے فسادی کہا ہے۔

یعنی اصلاح نام ہے قول و فعل رسول اللہ ﷺ اور تعامل صحابہ کرام کا خواہ عبادات ہوں یا معاملات ہر حال میں جو بات ان کے مخالف ہوگی وہ فساد ہوگا جیسے صبح کی دو رکعت فرض ہیں تو اگر کوئی ایک پڑھے تو باطل اگر تین پڑھے تو بھی باطل۔ یہ تیسری رکعت بھی پہلی دو کے لئے مفسد ہوگی۔ یعنی تمام بھلائی، تمام خوبصورتی، تمام حسن اور ساری اصلاح کا معیار ہے "محمد رسول اللہ ﷺ"۔ جو شخص کسی کام میں بھی آپ ﷺ سے اختلاف کرنے والا ہوگا وہ فساد پیدا کرنے والا ہوگا۔

آپ دیکھیں! دنیا میں کس قدر مشاہیر گزرے ہیں۔ ہر قوم میں ایسے افراد موجود ہیں جن پر قوموں کو ناز ہے مگر ایسے کتنے ہیں جن کا قول قول فیصل ثابت ہوا ہو۔ ایک بھی نہیں۔ قانون اور ضابطے بناتے ہیں پھر خود ہی ان میں ترامیم کرتے ہیں اور یہی اس بات کا اعتراف ہوتا ہے کہ اس میں خامی موجود ہے اور اصلاح کی ضرورت باقی ہے صرف ایک ہستی محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے جس نے آج سے چودہ صدیاں پیشتر ایک طرز حیات ایک قانون، ایک معاشرت اور ایک ضابطہ عطا فرمایا۔ ایسا کامل، ایسا جامع جسے نہ زمانہ فرسودہ کر سکا اور نہ کوئی مدبر اس سے بہتر تدبیر کر سکا یعنی جس کام کو جس طرح سے کرنے کا آپ ﷺ نے حکم دیا وہی اس کی بہترین صورت ہے اس سے بہتر کبھی نہ ہوگا بلکہ اختلاف پیدا کرنے والا بگاڑ پیدا کر کے مفسد کہلائے گا خواہ اپنے زعم باطل میں وہ کتنا ہی اچھا کر رہا ہو۔

اسی بات کو آپ اس طرح دیکھیں کہ جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا صحابہ کرامؓ نے عملاً کیا تو گویا صحابہ کرام کا عمل کسی بھی کام کی انتہائی خوبصورت شکل ہے اور اس کا مخالف مفسد۔ یہی اصلاح و فساد کا معیار ہے ورنہ تو منافق بھی کہتے ہیں کہ جی ہم تو اصلاح چاہتے ہیں۔ اللہ کریم فرماتے ہیں خبردار! خوب اچھی طرح سن لو کہ یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن ان میں شعور نہیں۔

اداریہ

ادب گاہیست زیرِ آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آیند "ابوبکرؓ و عمرؓ" ایں جا

انسانی یادداشت بھی کس قدر کمزور ہے کہ قومی افق پر نمودار ہونے والے حوادث کو بہت جلد فراموش کر دیتی ہے۔ کل تک توہین رسالت قانون زیرِ مشق آزمائی تھا۔ ملک کے اکثر دانشور، ٹیلی ویژن چینلز اور انسانی حقوق کے نام نہاد علمبرداران قوانین پر طبع آزمائی کر رہے تھے اور کچھ ہرزہ سرائی میں اس قدر آگے نکل گئے تھے کہ "رسالت" کی تعریف متعین کی جانے لگی تھی۔ قریب تھا کہ شترِ بے مہار کج بحثیں اس قدر آگے بڑھ جائیں کہ توبہ کی توفیق بھی سلب ہو جائے لیکن بھلا ہو وکی لیکس کا، ٹی وی چینلز کے دانشوروں کو ایک نیا موضوع مل گیا اور عوام کی یادداشت میں توہین رسالت کا موضوع دھندلکوں میں گم ہو گیا۔

خبردار! بارگاہِ رسالت ﷺ کے متعلق زبانوں سے نکلنے والا ایک ایک لفظ محفوظ کیا جا چکا ہے۔ بزعم خود یہ نکتہ آفرینیاں، رسالت کے بارے میں یہ فکری قلابازیاں اور ایک ایک لفظ یوم حساب ادب کے پیمانے پر پرکھا جائے گا اور پیمانہ بھی اس قدر سخت کہ صرف دانستہ ہی نہیں، نادانستہ بے ادبی سے بھی زندگی بھر کے اعمال تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ کیا رسالت کے موضوع پر دانشوروں کی بحثیں ادب کے اس پیمانے پر پورا اتر سکیں گی؟ آخر کس لئے ذرائع ابلاغ نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں گستاخی کی ایک مجرمہ کو، جس کا جرم قانونی تقاضوں کے مطابق ثابت ہو چکا اور اب صرف اپیل کا فیصلہ باقی ہے، اس انداز میں پیش کیا جو زیادہ سے زیادہ ہمدردی کے جذبات ابھار سکے؟ یہ ڈرامہ ایک سوچی سمجھی سازش ہے جس کے تحت اس مجرمہ جیسے کردار تیار کیے جاتے ہیں تاکہ توہین رسالت کے متعلقہ قوانین کو ہدف بنایا جا سکے اور ہر بار شیطانی چالوں میں پیشرفت نظر آتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل یہ تصور بھی محال تھا کہ اس حساس موضوع پر معاندانہ بات کی جا سکتی ہے لیکن آج بے حجابانہ گفتگو میں کوئی عار محسوس نہیں کیا جاتا، اس احتیاط سے قطع نظر کہ کب کس کی زبان درازی سوءِ ادب ٹھہرے۔

آگاہ رہیں! یہ بحث وقتی طور پر رک گئی ہے لیکن مناسب وقت پا کر اسے پھر چھیڑ دیا جائے گا۔ دین دشمن عناصر اب اس پوزیشن میں ہیں کہ توہین رسالت کے مجرموں کو مظلومی کی تصویر بنا کر پیش کریں، انسانی حقوق کے نام پر انہیں پناہ دیں، سر پر بٹھائیں اور جب سزا ہو جائے تو اس کی معافی کے لئے قانون کے حتمی تقاضوں کے پورا ہونے کا انتظار بھی نہ کیا جائے۔ اسمبلی میں بیٹھے ہوئے قانونی اور شرعی تقاضوں سے نابلد قانون ساز تیار بیٹھے ہیں کہ کب یہ قوانین ان کے سامنے لائے جائیں تاکہ وہ روشن خیالی کے نام پر ان میں قطع و برید کر سکیں۔ کیا کبھی کسی نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ قتل کے فوجداری قوانین کو بھی ختم کر دیا جائے کہ ان کی وجہ سے بعض اوقات کوئی بیگناہ پھانسی پر لٹک جاتا ہے! توہین رسالت قوانین کے بارے میں یہ دیدہ دلیری صرف اس لئے ہے کہ سادہ لوح مسلم ان شیطانی چالوں کو سمجھنے کے بجائے صرف ایک تماشائی بنا بیٹھا ہے۔ اب یہ علمائے حق کی ذمہ داری ہے کہ عوام الناس میں شعور و آگاہی پیدا کریں اور یہ ہر مسلم کا فرض ہے کہ وہ حرمت آقا ﷺ کے خلاف یہود و نصاریٰ کی ہر سازش کو ناکام بنا دے۔

ابوالاحمدین

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر	نشانِ منزل
کون سی ایسی بات ہوئی ہے	سوچ سمندر
متاعِ فقیر	آس جزیرہ
دیدہ تر	

آپ کی شاعری کیا ہے؟

اس بارے میں ڈاکٹر اجمل نیازی لکھتے ہیں۔

میں ان کی شاعری کے لیے تنقیدی بات کیا کہوں مجھے وہ صرف شاعر کی حیثیت میں دکھائی نہیں دیتے۔ یہ تو ذوق و شوق اور جوش و خروش کی بے نیازی ہے جو نت نئے اظہار کے لیے کوئی نہ کوئی قرینہ اختیار کرلی رہتی ہے۔ طوفانوں سے آشنائی رکھتے ہوئی دریا میں موجیں بے قابو بھی ہوتی ہیں۔ اکرم صاحب نے علمی و ادبی، تخلیقی و تہذیبی، دینی و دنیاوی حوالے سے کسی لہر کو بے مہار نہیں ہونے دیا۔ شاعری آسانی سے اور پوری طرح مغلوب نہیں ہوتی۔ اکرم صاحب کی شاعری سیل وفا کی یلغار نہیں۔ بپھرتے ہوئے پانیوں کو کناروں میں رکھنا کسی بے کنار جذبوں والے آدمی کا کام ہے۔ شاعری میں ضابطے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اس لیے یہ پیغمبروں کا شعار نہیں رہا اور شاعری کو شیوۂ پیغمبری بھی کہا گیا ہے۔ اس کے آگے کچھ کہنے کے لیے جس احتیاط کی ضرورت ہے مجھ سے اس کا پورا اہتمام نہیں ہو سکے گا۔ بات کہنے کے لئے احتیاط چاہیے تو سننے کے لیے بھی اتنی ہی احتیاط کی ضرورت ہے۔

شاعری جزو ایست از پیغمبری

اکرم صاحب سے بڑھ کر پیغمبروں والا کام کون کر رہا ہے۔ کاش ہمارا زمانہ انہیں ٹھیک طرح پہچان لے تو زندگی کچھ اور زندگی بن جائے۔

ابدی بہاریں

بے خودی' دیوانگی ہر دل کی قسمت میں کہاں
دل جلوں کی ہے الگ دنیا الگ ان کا جہاں

موت کیا ہے؟ زندگی کیسی' کہاں کے رات دن!
موسموں کے آنے جانے کی خبر کب ہے وہاں

کب؟ کہاں برسا ہے بادل؟ کس جگہ بجلی گری؟
کس جگہ پھوٹی ہے کونپل؟ جل گیا خرمن کہاں؟

سب سے بیگانے' الگ' بیٹھے ہیں اپنے حال میں
مست ہیں یادوں میں ان کی ہوں بہاریں یا خزاں

ہم نے بھی دی تھی خبر اک بے خبر کو کل عجب
لٹ گیا تیرا چمن بیتا بہاروں کا سماں

ہم تو سمجھے تھے وہ روئے گا وہ تڑپے گا بہت
ہوگئے حیران ہم بھی' کھولی جب اس نے زبان

آنکھ میری لے کے دیکھو دیکھنا چاہو اگر
گلشنِ محبوب کی نوری بہاروں کا سماں؟

تم اگر سیماب اپنی آنکھ سے دیکھو گے تب
ہر طرف تم کو نظر آئے گی تصویرِ خزاں

"آس جزیرہ" سے انتخاب

اقوالِ شیخ

☆ ثواب کیا بلا ہے؟ ثواب یہ ہے کہ انسان کی عملی زندگی، انسان کی نظریاتی زندگی اسی وقت سے مثبت طرف تبدیل ہونا شروع ہوجاتی ہے اور منفی چیزیں جو ہیں اس کی زندگی سے نکلنا شروع ہوجاتی ہیں۔

☆ اسلام کا بنیادی جو نظریہ ہے یہ بڑا سادہ سا ہے اور یہ ہے کہ دنیا ضرور حاصل کرو لیکن حصول دنیا کو مقصد حیات مت بناؤ

☆ رزق کریم سے وہ رزق مراد ہے جو نصیب ہو تو دل کو سکون ملے، قلب پریشان نہ ہو۔

☆ ہر عقیدہ اور ہر عمل صرف ایک ہستی کی شہادت سے اللہ کی اطاعت شمار ہوگا اور وہ شہادت ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

☆ دین سارے کا سارا ہی عدل ہے اور سارے کا سارا ہی احترام ہے۔ سارے کا سارا ہی محبت ہے۔ یہ نفرتیں یہ ایک دوسرے پر طعنے، ایک دوسرے پر کفر کے فتوے، یہ روز روز کی لڑائیاں، یہ روز روز کے جھگڑے، ہر شخص کا اپنی بات منوانے پر اصرار یہ دین نہیں ہے۔

☆ ہدایت کا فیصلہ انسان کی تمنا پر کیا جاتا ہے کہ جب وہ تمنا کرتا ہے تو اللہ کریم اس کے لئے ہدایت کے راستے کھول دیتے ہیں۔

☆ اللہ کریم کے ذاتی کلام کا کمال یہ ہے کہ اس کا ہر جملہ پوری انسانی زندگی کی ترتیب بتا دیتا ہے۔

حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں: ''محبت الٰہی کی علامت یہ ہے کہ آدمی کثرت سے اس کا ذکر کرے۔ کیونکہ اگر تجھے کسی چیز سے محبت ہوگی تو لازماً اکثر اس کا ذکر کرے گا''۔

طریقہ ذکر

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ

مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹے لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتویں لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کہا جاتا ہے، جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے، جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

شیخ السلسلہ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

عملی زندگی کی اصلاح

بیان ماہانہ اجتماع
دسمبر 2010ء
05-12-2010

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ
وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ ال عمران:191

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا
عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

اللہ کریم کا احسان ہے کہ اس نے اپنی آخری کتاب میں جو حکم دیا اس کی تعمیل کی توفیق عطا فرمائی۔ یاد رکھیں دین کے دو حصے ہیں۔ عقائد و عبادات اور اعمال و کردار۔ اصل دین جو ہے وہ کردار ہے۔ کردار عقیدے کا گواہ ہوتا ہے۔ عقیدہ ایک دعویٰ ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ بندے کا عمل اس بات کا گواہ ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہے یا نہیں۔ عبادات جتنی بھی ہیں ان کا حاصل اس دنیا میں کردار کی اصلاح ہے اور آخرت میں اللہ کے انعامات ہیں، ایک بات یاد رکھ لیجیے کہ کتنا بھی کردار اعلیٰ ہو جائے، کتنی عبادات نصیب ہو جائے، کتنی نیکیاں کرے بندہ اللہ کے احسانات کا بدلہ نہیں اتار سکتا جو وہ پہلے وصول کر چکا ہے۔ فرمایا، یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ البقرہ: 21 اے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اس لئے کہ وہ تمہارا رب ہے، جس نے تمہیں پیدا کیا، پال رہا ہے، بے پناہ نعمتیں دی ہیں۔ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا البقرہ:29 روئے زمین پر جتنا کچھ پیدا کیا ہے وہ سب تمہاری خدمت پہ لگا دیا ہے تو جتنی بھی عبادات ہیں نیکیاں ہیں اور اطاعات ہیں وہ صرف اس شکر کو ادا نہیں کر سکتیں جو نعمتیں ہم پہلے وصول کر چکے ہیں جو کچھ آخرت میں وصول ہو گا وہ اس کا انعام ہے، معاوضہ نہیں ہے وہ اس کی طرف سے مزید انعام ہو گا احادیث مبارکہ میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جب بالغ ہوا تو دنیا کو چھوڑ کر سمندر کے اندر ایک چھوٹا سا ٹاپو تھا، جزیرہ تھا وہاں چلا گیا۔ ساری زندگی وہاں اکیلے بسر کر دی اللہ کریم نے وہاں پھل اُگا دیئے، میٹھے پانی کا چشمہ جاری کر دیا، چار سو برس وہ وہاں رہا اور جب موت آئی تو اللہ کریم نے ملک الموت کو حکم دیا اور ملک الموت نے اس سے پوچھا کہ تم کس حال میں دنیا سے جانا چاہتے ہو؟ اس نے کہا مجھے سجدے میں جا لینے دو، سجدے میں میری روح قبض کر لینا، تا کہ قیامت کو میں سجدے میں اٹھایا جاؤں تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ جبرائیل امین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اب بھی جب آسمان پر جاتا ہوں یا نیچے آتا ہوں اور اس طرف نظر پڑے تو اس کا وجود سجدے میں پڑا ہوا نظر آتا ہے۔ یعنی صدیاں

بیت گئیں نہ اس پہ موسم کا اثر ہوا نہ اس پر کوئی گرد کی تہہ چڑھی نہ خراب ہوا اسی طرح سربسجود نظر آتا ہے تو ارشاد ہوا کہ جب قیامت قائم ہوگی تو اسے بھی پیش کیا جائے گا نامہٴ اعمال میں چار سو سال عبادت، نیکی، ذکر اذکار ہوں گے۔ اس نے کسی بندے سے بات ہی نہیں کی، کوئی دوسرا لفظ ہی منہ سے نہیں کہا تو ارشاد ہوگا **اِذْهَبُوْا بِعَبْدِیْ اِلٰی جَنَّتِیْ بِرَحْمَتِیْ** میرے بندے کو میری رحمت سے میری جنت میں لے جاؤ۔ اس پر وہ عرض کرے گا کہ یا اللہ! آپ کی رحمت کا تو کوئی اندازہ نہیں لیکن میں نے بلوغت سے لے کر چار سو برس صرف آپ کی یاد اور آپ کی عبادت میں گزار دیئے۔ کچھ تو اس کا بھی اجر ہوگا۔ فرمایا بے شک اپنے اجر کا حساب کر لو۔ ارشاد ہوگا اس کی نیکیاں اور میری نعمتوں کا وزن کیا جائے۔ تو چار سو برس اس نے جو بصارت استعمال کی، نظر جس سے دیکھا، صرف وہ ایک پلڑے میں رکھی جائے گی اور دوسرے پلڑے میں عبادت، تو عبادت کم پڑ جائے گی اور حکم ہو جائے گا کہ یہ انصاف کا متقاضی ہے لہٰذا جب تک ان نعمتوں کا اجر پورا نہیں ہوتا اسے جہنم میں رکھا جائے اس وقت وہ کہے گا کہ یا اللہ زندگی بھر اللہ اللہ کی لیکن آخرت میں یہ بھول ہوگئی مجھے معاف کیا جائے۔ تو ارشاد ہوگا کہ اگر بخشش کا طلبگار ہے تو اسے جنت میں بھیج دو حساب کتاب کرنا چاہتا ہے تو کر کے دیکھ لے۔ تو جتنی بھی ہم نیکی کر لیں یہ جو کچھ ہم وصول کر چکے ہیں اس کا شکر بھی ادا نہیں ہوتا۔ مزید انعامات لمحہ بہ لمحہ احسانات بڑھتے جاتے ہیں۔

انسان کا مزاج یہ ہے کہ اسے جو چیز پسند نہ ہو اسے یاد رکھتا ہے کہ میرے ساتھ یہ بھی ہوا، میں بیمار ہوا، میرا مالی نقصان ہو گیا، میرا مکان گر گیا ان سب دکھوں کی لسٹ اس کے پاس ہوتی ہے لیکن کبھی نعمتوں کو شمار نہیں کرتا۔ ایسا بدنصیب ہے کہ احسانات باری کو شمار نہیں کرتا۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کے واقعہ میں عجیب تین واقعات قرآن میں ذکر فرمائے گئے ہیں کہ موسیٰؑ خضرؑ کے پاس پہنچے تو خضرؑ نے کہا کہ اے موسیٰؑ آپ اللہ کے اولوالعزم رسول ہیں لیکن جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپؑ کو نہیں بتایا گیا آپؑ کا علم تشریعی ہے، آپؑ شریعت کے بارے جانتے ہیں، تکوینی اُمور بجالانا میری ذمہ داری ہے جو الگ شعبہ ہے تو آپؑ میرے ساتھ نہیں چل سکیں گے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ تھی کہ حضرت خضرؑ بنی اسرائیل کے ایک ولی اللہ تھے اور اہل اللہ اور سلوک کے حامل جو لوگ ہوتے ہیں ایک خاص درجے کے بعد ان کی وفات کے بعد ان کی ارواح ملاء الاعلیٰ کی صورت اختیار کر جاتی ہیں اور جس طرح فرشتے تکوینی امور میں اللہ کے حکم سے کام کرتے ہیں اسی طرح ان کی ارواح بھی کام کرتی ہیں۔ ان میں خضرؑ بھی ہیں۔ مجھے یاد ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی روح بھی اسی طرح وہ منزل پا گئی تھی تو تکوینی اُمور من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ اللہ کیا کرنا چاہتا ہے، جس طرح کرنا چاہے وہ قادر ہے سب کچھ اس کے اشارے پر ہو سکتا ہے لیکن دنیا کو اس نے عالم اسباب بنایا اور یہاں اسباب پیدا فرماتا رہتا ہے جیسے عیسیٰؑ اس کے حکم پر پیدا ہوئے۔ لیکن سبب بنا دیا جبرائیل امین کے دم کرنے کو۔ تو تکوینی امور میں فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ یہ کر دو، وہ کر دو۔ اولیاء اللہ کی ارواح بھی اسی طرح کام کرتی ہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ آپ مجھے ساتھ رکھئے؟ پھر دونوں کشتی میں سوار ہوئے، عین دریا میں، پانی کے درمیان پہنچ کر حضرت خضرؑ نے اشارہ کیا اور کشتی میں بال آ گیا۔ دراڑ آ گئی، موسیٰؑ نے فوراً گرفت کر دی کہ آپ کیسے انسان ہیں؟ انہوں نے احسان کیا، ہمیں کشتی میں بٹھایا، دریا کے پار لے جا رہے ہیں اور آپ نے ان کی کشتی چیر دی۔ حضرت خضرؑ نے کہا میں نے تو عرض کیا تھا کہ آپؑ میرے ساتھ نہیں چل سکیں گے۔ اب پار اُترے تو کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ حضرت خضرؑ نے اشارہ کیا تو ایسا حادثہ ہوا کہ بچے کو چوٹ لگی اور بچہ مر گیا۔ اب موسیٰؑ تو

دیکھ رہے تھے کہ ان کے کرنے سے یہ ہوا ہے تو انہوں نے فوراً گرفت کی چونکہ ان کا علم تو تشریعی تھا کہ شریعت کے مطابق تو بچے کو قتل کرنے کا کیا جواز ہوسکتا ہے۔ فرمانے لگے یہ تم نے کیا کر ڈالا۔ ایک معصوم کو قتل کر دیا؟ انہوں نے فرمایا میں نے تو عرض کیا تھا کہ آپ میرے ساتھ چل نہیں پائیں گے پھر ایک آبادی میں پہنچے انہوں نے کھانا دینے سے بھی انکار کر دیا۔ ایک کمزور سا گھر تھا، دیوار باہر کو نکلی ہوئی تھی، گرنے کے قریب تھی، حضرت خضرؑ نے اشارہ کیا دیوار سیدھی ہوگئی انہوں نے کہا عجیب آدمی ہو؟ ان لوگوں نے ہمیں روٹی دینے سے انکار کر دیا۔ تمہیں اگر دیواریں بنانے کا اتنا ہی شوق تھا تو یہی کام مزدوری پہ لیتے، کھانا تو مل جاتا۔ انہوں نے کہا حضرتؑ اب بس۔ تین واقعات ہوگئے میں ان کی تعبیر کئے دیتا ہوں تو قرآن کریم نے وہ تعبیر بھی ارشاد فرمادی کہ جو کشتی والا جا رہا تھا اس دریا کے اگلے کنارے پہ ایک بادشاہ تھا وہ کشتیاں چھین رہا تھا۔ اپنی ضروریات کے لئے ضبط کر رہا تھا۔ ملاح کو اس بات کی خبر نہیں تھی اگر وہ کنارے پہ جاتا تو کشتی ضبط ہو جاتی وہ ایک نیک آدمی ہے اور غریب ہے تو اللہ نے یہ چاہا کہ اس کی کشتی نہ چھینی جائے تو اس نے حکم دیا میں نے دراڑ پیدا کر دی۔ اب وہ ٹوٹی ہوئی کشتی کو کوئی کیا کرے گا۔ اس کی کشتی چھینی نہیں جائے گی بعد میں وہ مرمت کرلے گا۔ یعنی اللہ کا احسان تھا۔ بظاہر کتنا بڑا نقصان ہے کہ ایک آدمی کا گزارہ ہی اس کشتی پر ہے اور اس میں وہ دراڑ آگئی لیکن یہ اللہ کا احسان تھا اس پر دوسرے واقعے کے بارے فرمایا، بچہ جو فوت ہوگیا آپ کہتے ہیں آپ نے قتل کر دیا یہ مزاجاً ایسا تھا کہ یہ بڑا ہو کر ان کے لئے بے دینی کا سبب ہوتا خود تو بے دین تھا، شاید والدین کو بھی دین کے معاملے میں ابتلاء میں مبتلا کر دیتا۔ اللہ نے وہ لے لیا اور اس کے بدلے انہیں اچھی اولاد دے گا۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اس کے بعد ان کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی جس کی شادی ایک اللہ کے نبی سے ہوئی۔ اور اس کی اولاد میں ستر (70) نبی ہوئے۔

انسان کا مزاج ایسا ہے کہ یہ تو یاد رکھتا ہے کہ میرا بیٹا مر گیا اس بات کو نہیں گنتا کہ مجھ پر اللہ کا انعام کتنا ہے اسی طرح فرمایا جو دیوار میں نے سیدھی کر دی وہ یتیم بچوں کے گھر کی دیوار تھی۔ اس کے نیچے ان کے باپ نے ان کے لئے کچھ سرمایہ رکھا تھا اور اللہ کریم چاہتے ہیں کہ وہ جوان ہوں تو خود ہی نکالیں اگر دیوار گر جاتی تو وہ راز کھل جاتا۔ بچے کمسن ہیں تو میں نے اسے سیدھا کر دیا لیکن یہ سب کچھ میں نے نہیں کیا۔ یہ سب کچھ اللہ نے کیا ہے۔ مجھے تو ایک سبب بنا دیا ہے مجھے حکم دیا میں نے کر دیا تو میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کو ہم نے نقصان کی فہرست میں ڈال رکھا ہوتا ہے ان میں بھی کتنے فائدے پنہاں ہوتے ہیں یہ اللہ جانتا ہے جو چیزیں ضائع ہو جاتی ہیں جو لوگ ہم سے جدا ہو جاتے ہیں ان کو جدا ہو جانا چاہیے۔ جو چیزیں ضائع ہو جاتی ہیں انہیں ضائع ہو جانا چاہیے کیونکہ اللہ بہت بڑا کریم ہے۔ الا یہ کہ کوئی اتنا بدنصیب ہو کہ بطور عذاب اس سے چیزیں چھینی جائیں اور بطور عتاب اس کو سزا دی جائے وہ اور بات ہے لیکن اللہ کے وہ بندے جو اللہ کی اطاعت میں زندگی گزارتے ہیں ان کا نقصان بھی بظاہر نقصان ہوتا ہے اس میں بھی بے شمار منافع پوشیدہ ہوتے ہیں بظاہر نقصان نظر آتا ہے لیکن اس میں بھی اللہ کی بے شمار نعمتیں ہوتی ہیں جو اس کے باعث نصیب ہوتی ہیں۔ تو زندگی کو اس نظر سے دیکھنا چاہیے۔ پھر اس کا یہ احسان کیا کم ہے کہ ایمان عطا فرما دیا۔ حضور اکرم ﷺ کی امت سے بنا دیا۔ توفیق عمل عطا کر دی اور سب سے بڑی بات کہ وہ حکم جو قرآن حکیم میں سب سے زیادہ بار دیا گیا اور جس کی طرف عالم اسلام کی سب سے زیادہ عدم توجہی ہے۔ سب سے زیادہ بار جو حکم آیا ہے وہ ذکر کا ہے اور کثرت ذکر کا ہے۔ 30 سے زیادہ بار براہ راست حکم ہے اور کم و بیش 800 سے زیادہ بار ذکر کا بالواسطہ حکم ہے اور کتنی دفعہ اس کو دہرایا گیا اور ہر حال میں کرنے کا حکم دیا گیا۔ فرمایا الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ کھڑے

ہوں، بیٹھے ہوں، لیٹے ہوں، ہمہ وقت، ہر حال میں ذکر کریں۔ ذکر کا حاصل کیا ہے؟ وَ يَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذکر تفکر پیدا کرتا ہے۔ قلب میں جب نورانیت آتی ہے تو انسانی سوچ کو متاثر کرتا ہے اور انسان سوچتا ہے ارض وسماء کی تخلیق کے بارے میں اور پھر اس نتیجے پہ پہنچتا ہے رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا اے ہمارے رب یہ سب تو نے فضول نہیں بنایا اتنی بڑی کارگہہ حیات بلا مقصد نہیں ہے یہ فضول نہیں پھر کہتا ہے یا اللہ مجھے ان قدردانوں میں بنا جو تیری عظمت کے قائل اور تیری اطاعت کی توفیق پائیں۔ ناشکروں میں بنا کر جہنم میں نہ پھینکنا۔ ''فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ'' ہم سب کو دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ صرف اس بات کا شکر ادا کرنا ممکن نہیں ہے کہ اس نے توفیق ذکر عطا کر دی اور ہر وہ سانس جس میں ہم اللہ کا نام لیتے ہیں وہ اللہ کی مزید عطا ہے اس کا مزید احسان ہے۔

جسم مادی ہے اور اس میں روح عالم امر سے ہے۔ اللہ یہ شعور دے۔ جہاں قرآن کریم میں ارشاد ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا العنکبوت:69۔ وہاں مفسرین کرام لکھتے ہیں فرمان الٰہی یہ ہے کہ جو میری تلاش میں، میری ذات کے لئے، میری رضا کے لئے محنت کرتے ہیں، ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیتے ہیں۔ لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ہم ان کے لئے اپنی بہت سی راہیں کھول دیتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں یہ راہیں کیا ہیں؟ اللہ انہیں ایسے لوگوں سے ملا دیتا ہے جو انہیں اللہ کی یاد سکھاتے ہیں۔ اللہ اللہ سکھاتے ہیں اور انہیں قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ یہ بہت بڑا احسان ہے اللہ کا۔ بندہ عمر خضر بھی پائے تو اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا کیونکہ ہر لمحہ اس سے سیراب ہوتا رہتا ہے۔ احسانات بڑھتے رہتے ہیں۔ انسان کوتاہی بھی کرتا ہے، سستی بھی کرتا ہے، غفلت بھی کرتا ہے، خطا بھی کرتا ہے اللہ کی طرف سے ہمیشہ عطا ہوتی ہے۔ اس طرف کوئی غلطی کا گمان نہیں ہے تو جو غلطی کرتا ہے وہ اس کی عطا کا شکر کماحقہٗ کیسے ادا کر سکتا ہے بلکہ بعض اکابرین سے پوچھا گیا کہ کمال شکر کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا اس بات کو سمجھ لینا کہ میں کماحقہٗ شکر ادا نہیں کر سکتا۔ یہ بات اس حقیقت کو پالینا کمال شکر ہے کہ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ یہ اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس کی یاد اس کے ذکر کے لئے احباب جمع ہوتے ہیں، اللہ اللہ کرتے ہیں اور یہ ایسا خزانہ ہے جس سے بڑی اکثریت ناواقف ہے۔ دنیا کا غبار ایسا ہے دنیا اور دنیا کی نعمتیں، دنیا کے کھانے پینے، دولت، اقتدار یہ ایسا غبار ہے جیسے فضا میں آندھی آجائے مٹی اڑ جائے تو کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ ایسا غبار ہے کہ حقائق کو آنکھوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔ تو آپ دیکھ لیں کہ کتنی اکثریت اسی غبار میں الجھی ہوئی ہے اور انہیں نظر ہی نہیں آتا کہ حقیقت کیا ہے؟ کیا کرنا چاہیے؟ کیا ہونا چاہیے؟ چلو دنیا داروں کو تو چھوڑو، طبقۂ علماء میں، علماء حضرات بھی تو یہی قرآن پڑھتے ہیں جو میں تلاوت کر رہا ہوں۔ یہی آیات پڑھتے ہیں، یہی تفاسیر پڑھتے ہیں، یہی سب کتابیں پڑھتے ہیں، کتنے ہیں جنہیں یہ خیال آتا ہے کہ عملاً بھی اللہ اللہ کرنی چاہیے؟ بہت کم۔ ایک گرد چھائی ہوئی ہے، ایک غبار ہے دنیا کا، یہ کرنا ہے، یہاں سے لینا ہے، وہاں دینا ہے، وہ آیا، یہ گیا، وہاں میری نوکری لگ گئی، میرا اتنا مقام، میری اتنی شہرت ہوگئی، میں اتنا بڑا ہوگیا، ایک ایسا اندھیر سا مچا ہوا ہے کہ اس میں کچھ سمجھ نہیں آتی۔ کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ اور بڑے بڑے پڑھے لکھے لوگ، بڑے بڑے نامور لوگ، بڑے بڑے اہل علم اسی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ تو اس سارے غبار میں سے نکال کر اللہ کسی کو اپنا نام لینے کی توفیق عطا کر دے اور ایسے لوگوں میں پہنچا دے جو اللہ اللہ کر رہے ہوں تو یہ کتنا بڑا احسان ہے؟ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ نے کچھ فرشتے ہی ایسے بنائے ہیں جو صرف ذکر کو تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اور کہیں کوئی بندہ ذکر کر رہا ہو اور ان میں سے کسی کی نظر پڑ جائے تو پھر وہ دوسروں کو پکارتا ہے کہ یہاں آؤ بھئی۔ کہاں تلاش کر رہے

ہو۔ یہاں آجاؤ۔ یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ وہ جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ حلقہ بنا لیتے ہیں۔ جو پیچھے آتے ہیں وہ ان کے اوپر جو پیچھے ہوتے ہیں ان سے اونچے کھڑے ہوتے ہیں حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات ذکر کرنے والے مسلسل ذکر کرتے رہتے ہیں تو جمع ہوتے ہوتے فرشتوں کے سر آسمانوں سے جا لگتے ہیں اور جب ذکر ختم ہوتا ہے تو اللہ کریم کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو پوچھا جاتا ہے کہ کہاں رہے۔ یا اللہ! ذاکرین کو تلاش کرتے رہے ذکر کرتے ہوئے لوگوں کو پایا اور تیرے ذکر میں ہم بھی شامل رہے اور انہیں دیکھتے رہے اور اللہ اللہ کرتے رہے۔ تو ارشاد ہوتا ہے کہ گواہ رہو میں نے ان سب کو بخش دیا۔ تو وہ عرض کرتے ہیں کہ یا اللہ وہاں جتنے لوگ تھے سارے ذکر کے لئے نہیں آئے تھے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کو ان ذاکرین میں سے کسی سے کوئی کام تھا وہاں آئے تو وہ چونکہ مصروف تھے تو وہ بھی وہاں ساتھ بیٹھ گئے کہ یہ فارغ ہوں تو بات کر کے چلے جائیں تو ارشاد ہوتا ہے حدیث شریف کے الفاظ میں هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والے بھی محروم نہیں رہتے۔ میں نے سب کو بخش دیا، ذاکرین کو بھی بخش دیا اور جن کو ان سے کام تھا بیٹھے رہے، کام کی غرض سے آئے، مجبوراً بیٹھے رہے۔ میں نے ان سب کو بخش دیا کہ یہ ایسے عجیب لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔ تو اس اندھیر، اس طوفان، اس سارے عالمِ ہاؤ ھو میں اللہ نے جنہیں ایسے لوگ میسر کر دیئے کہ وہ اللہ اللہ کرتے ہیں اور اللہ کی رضا کے لئے اللہ اللہ کرتے ہیں۔ یہ اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ اس کے شکر کا طریقہ یہ ہے کہ پورے خلوص سے اور پوری ہمت سے ذکر کیا جائے۔ عجیب بات ہے کسی کی ذرا طبیعت خراب ہو تو ذکر چھوٹ جاتا ہے۔ ذرا مصروفیت ہو تو ذکر چھوٹ جاتا ہے، کھانا پینا نہیں چھوٹتا، سونا جاگنا نہیں چھوٹتا، کاروبار دنیا نہیں چھوٹتے، ذکر چھوٹ جاتا ہے۔ جو سب سے قیمتی شئے اور قیمتی دولت ہے، اس کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے۔ بات لمبی ہو گئی میں آج تقریر نہیں کرنا چاہتا تھا اور کر بھی نہیں رہا ہوں۔ آپس کی بات ہے اور یہ حقائق ہیں تقاریر اور شئے ہوتی ہیں تقریر نہیں۔ اب اس میں دیکھنا یہ ہے کہ جب ہمیں یہ نعمت نصیب ہوتی ہے تو اس کے جو آداب، اس کے جو قاعدے، اس کے جو ضابطے ہیں۔ اس کے اپنے بھی قوانین ہیں۔ ان کو کس حد تک ہم سمجھتے ہیں۔ یا ان پر عمل پیرا کس حد تک ہوتے ہیں۔

اس میں بڑے کڑے امتحانات بھی ہیں۔ دنیا کا کوئی نظام جو رب العالمین نے بنایا ہے اس میں امتحانات کے ساتھ ترقی ہوتی ہے اس میں بھی امتحانات ہیں۔ جب تک بندہ طالب رہتا ہے پھر خیر ہوتی ہے، کم بوجھ ہوتا ہے اس پر۔ پھر کچھ لوگوں کو ذمہ داری مل جاتی ہے کہ تم ان لوگوں کو ذکر کرایا کرو۔ امیر بن گئے صاحب مجاز بن گئے یہ صاحب مجاز ہونا ایک بہت بڑی مصیبت ہے۔ انسانی مزاج ہے۔ اب اس کی حقیقت تو یہ ہے کہ پہلے تو صرف اپنے کردار کا جواب دہ تھا اب جو لوگ اس سے متعلق ہیں ان کی ذمہ داری بھی اس پر آ گئی۔ جہاں ان لوگوں کو اللہ کی بارگاہ میں جواب دینا پڑے گا وہاں ساتھ اسے بھی دینا پڑے گا کہ تم نے انہیں کیا سمجھایا؟ کیا نیکی بتائی؟ کس برائی سے روکا؟ لیکن اس ذمہ داری کو، اس کو اس طرح سمجھنے کی بجائے انسان اس طرح سمجھ لیتا ہے کہ میں ان پر حاکم بنا دیا گیا ہوں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے اور بڑی نازک بات ہے تو اسے اس کی اصل شکل میں سمجھنا چاہیے کہ میری جواب طلبی بڑھ گئی ہے۔ اب اگر میں غلطی کروں گا تو یہ پچاس، ساٹھ، سو ساتھی جو میرے ساتھ ہیں مجھے دیکھ کر شاید یہ سارے بھی اس غلطی کو اپنا لیں۔ پھر اس کا ایک غیر ارادی اثر ہوتا ہے جو بندہ صاحب مجاز ہو یا ذمہ دار ہو جیسے اب جو میری حیثیت ہے اگر خدانخواستہ میں بددیانتی کروں تو جماعت میں غیر شعوری طور پر بددیانتی پھیل جائے گی۔ لوگ بددیانتی کرنے لگ جائیں گے۔ چونکہ جب میری طرف سے توجہ

جائے گی، انوارات جائیں گے، تو جہاں وہ دودھ جائے گا، جہاں وہ نور جائے گا، وہاں وہ بددیانتی کی ظلمت بھی جائے گی۔ تو جو لوگ مجھ سے متعلق ہیں وہ غیر شعوری طور پر اس میں ملوث ہوں گے اگر میں جھوٹ بولنا شروع کردوں اللہ نہ کرے تو جماعت کے اکثر ساتھی جھوٹ بولنا شروع ہوجائیں گے۔ یہ عجیب بات ہے کیونکہ وہ کیفیات میرے قلب سے لے رہے ہیں، تو وہ کیفیات صاف ستھری جائیں تو صاف ستھرا اثر مرتب کریں گی، اگر میلی ہوجائیں گی تو میل بھی تو وہیں جائے گی۔ اس طرح جو صاحب مجاز حضرات ہوتے ہیں جو ذمہ دار ہوتے ہیں اگر وہ کوتاہیاں کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ان لوگوں کو بھی تباہ کرتے ہیں جو ان سے متعلق ہیں تو یہ احساسِ ذمہ داری ہونا چاہیے کہ اگر کسی کو صاحب مجاز بنایا جاتا ہے یا منصب دیا جاتا ہے یا امیر بنایا جاتا ہے تو وہ یہ سمجھے کہ میں ایک اور مصیبت میں پھنس گیا۔ جب تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے یہ ذمہ داری نہیں دی تو ساتھی میرے پاس آتے تھے۔ کہتے تھے ایک دو دن رہنا ہے، میں کہتا تھا رہنا ہے تو میرے پاس رہو، ذکر کرنا ہے تو فلاں ساتھی کے پاس چلے جاؤ، وہ میرے سے زیادہ اچھا ذکر کرادیں گے۔ مجھے شوق نہیں ہوتا تھا پرائی ذمہ داری لینے کا۔ تو مجازین حضرات کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان پر ذمہ داری بڑھ گئی ہے جو ان سے متعلق احباب ہیں ان کی اصلاح بھی ان کے ذمے ہے تو جب ان کی جواب طلبی ہوگی تو ساتھ ان کی بھی ہوگی۔ اس کے برعکس دیکھا یہ گیا ہے کہ بعض مجازین پیر بن جاتے ہیں۔ بزرگ بن جاتے ہیں خود کو فرشتہ سمجھ لیتے ہیں۔ دوسروں کو اپنا ماتحت سمجھ لیتے ہیں پھر ان سے پیسے لیتے ہیں پھر بعض احباب نے ادھار کے نام پر بڑی بھاری رقوم لے لیں اب وہ صاحب مجاز کے پیچھے پھرتے ہیں اور صاحب مجاز صاحب چھپتے پھرتے ہیں۔ یار! اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ آپ ان کیفیات کو چند روپوں میں بیچتے ہیں اور ساتھی ایسے عجیب ہیں کہ پیسے دے کر شکایت کرنے آتے ہیں۔ خدا کے بندے، دینے سے پہلے بات کرلو کہ فلاں صاحب مجاز مجھ سے 50 لاکھ مانگ رہا ہے، دوں یا نہ دوں۔ دے کر، پھر دینے پر سال گزر جائے۔ جب صاحب مجاز سے مایوس ہوجائیں کہ پیسے واپس نہیں ملیں گے تب میرے پاس آتے ہیں تو خدا کے لئے اس انداز سے سوچو کہ اللہ نے ہمیں کہاں سے کہاں پہنچایا؟ ہمیں حضور اکرم ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا۔ مسلمان ماں باپ کے گھر میں پیدا فرمایا، پھر اپنی جستجو عطا فرمائی پھر ایسے بندوں میں پہنچایا جہاں ہمیں اللہ اللہ نصیب ہوئی پھر وہاں ہماری ایک اہمیت بنی ہم امیر یا صاحب مجاز بنے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب کچھ چند روپوں کے عوض بیچ دیا جائے؟ کیا یہ دولت ایسی ہے کہ چند لاکھ کے عوض اسے فروخت کردیا جائے اور چند لوگوں کے چند لاکھ روپے لے کر کھالیئے جائیں اور لوگ دھکے کھاتے رہیں خدا کے لئے اس کی حقیقت کو سمجھو اور ساتھیوں سے بھی میری گزارش ہے کہ شیطان بھی فارغ نہیں بیٹھا ہوا وہ بھی اپنا کام کررہا ہے معصوم صرف نبیؑ ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے کہ جب نبیؑ حکم دے دیتا ہے تو کسی مومن مرد، کسی مومن عورت کے پاس یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اس پر سوچ و بچار کرے کہ مانا جائے یا نہ مانا جائے بلکہ قطعی بات ہے کہ سوائے اطاعت کے کوئی چارہ نہیں۔ شیخ کا مقام بھی یہی ہوتا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ نبیؑ حکم دیتا ہے اللہ سے علم لے کر اور شیخ حکم دیتا ہے نبیؑ کے حکم کو آگے بڑھا کر۔ شیخؒ کا حکم وہ شیخ کا حکم ہے، جو شریعت کے مطابق ہے۔ خلاف شریعت جو بات کہتا ہے تو اول تو وہ شیخ ہے نہیں اور خلاف شریعت بات ماننے کے ہم مکلف نہیں ہیں بات رسول اللہ ﷺ کی مانی جائے بزرگ یا شیخ وہ ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات ہم تک پہنچاتا ہے۔

یہاں بھی دوست لوگوں کو بزرگ بنا لیتے ہیں جیسے احباب نے انہیں بزرگ بنالیا۔ میں ایک دن آیا تو ایک ساتھی بیٹھے وضو کررہے تھے ایک آدمی پانی ڈال رہا ہے۔ ایک ہاتھ دھو رہا ہے، ایک پاؤں

دھور ہا ہے، میں کھڑا ہو گیا میں نے پوچھا کیا ہو رہا ہے؟ فرمانے لگے میری ٹانگوں میں درد ہوتا ہے اور میں ہاتھ بھی نیچے نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا جی اس کے لئے یہ پانچ بندے مکلف نہیں ہیں جو آپ کو وضو کرا رہے ہیں آپ وضو نہیں کر سکتے، آپ تیمم کر کے نماز پڑھیں۔ آپ کو اللہ نے آسانی دی ہے۔ آپ خود وضو نہیں کر سکتے تو آپ تیمم کر کے نماز پڑھیں۔ یہ بندے کہاں سے روزانہ آئیں گے آپ کو وضو کرانے؟ اگر آپ سلسلے میں نہ ہوتے، صاحب مجاز نہ ہوتے تو یہ آپ کی بات مانتے۔ سیدنا فاروق اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کے ایک گورنر آئے اور انہوں نے بیت المال کا مال پیش کیا۔ کچھ چیزیں الگ کر لیں تو انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا امیر المومنین یہ لوگوں نے مجھے ذاتی طور پر تحفے دیئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم وہاں گورنر نہ ہوتے تو وہ تمہیں تحفے دیتے؟ کہنے لگے کہ جی نہیں۔ تو فرمایا کہ پھر یہ تمہارے نہیں ہیں۔ یہ سرکار کا مال ہے۔ انہیں بیت المال میں جمع کراؤ اسی سے مجازین کو سوچنا چاہیے کہ انہیں جو عزت ملتی ہے اگر وہ صاحب مجاز نہ ہوتے تو انہیں کون یہ عزت دیتا پھر وہ اس سے دنیا کمائیں یہ بڑا ظلم ہے اور میری ساتھیوں سے بھی گزارش ہے کہ لوگوں کو آزمائش میں نہ ڈالیں۔ آپ انہیں پیسے کیوں دیتے ہیں؟ اور پھر بھی دیتے ہیں تو میرے پاس شکایت کرنے نہ آیا کریں۔ اگر مجھ سے پوچھ کر نہیں دیتے تو پھر شکایت بھی نہ لائیں۔ مجھ سے پوچھو گے تو میں کہوں گا مت دو بھئی اپنا کاروبار ہر کوئی کرے۔ اللہ نے ہر ایک کی روزی مقرر کی ہے۔ ہر ایک کو اس کی روزی، نوشتہ ملتا ہے، وہ حلال ذریعے سے کمائے یا حرام سے، اپنا حصہ ہی کھائے گا، باقی چھوڑ کے مرجائے گا۔ ہر بندہ مکلف ہے اپنی روزی کمانے کا، اپنی محنت کرے اپنی دال روٹی خود کمائے۔ تو یہ پوری وضاحت سے میں کہہ دینا چاہتا ہوں ایسی باتیں روز نہیں کہی جاتیں نہ کی جاتیں ہیں تقریریں اصلاحی کر دیتے ہیں۔ قرآن کی تفسیر کر دیتے ہیں، حدیث بیان کر دیتے ہیں، حضور اکرم ﷺ کے ارشادات سنا دیتے ہیں اور خوش ہو کر چلے جاتے ہیں۔ یہاں صرف سننا، سنانا اور خوش ہونا نہیں ہے یہاں مقصد عملی زندگی کی اصلاح ہے کوئی بڑا ہے یا چھوٹا مقصد یہ ہے کہ اللہ نے جو یہ نعمت ہمیں نصیب فرمائی ہے یہ ہمارے ساتھ قبر میں جائے گی۔ برزخ میں جائے میدان حشر میں یہ اللہ اللہ کی کیفیت نصیب ہو یہ پل صراط سے سلامتی کے ساتھ گزرنے کا سبب بنے۔ یہ چند روپوں کے لئے نہیں ہے کہ کسی سے روپے لے لیں، چندہ لے لیں، چند روپے لے کر کھا جائیں۔ یہ اس طرح کرنے کے لئے نہیں ہے تو مجھے امید ہے کہ جن حضرات، جن احباب سے کوتاہیاں ہوئی ہیں وہ پوری کوشش کریں کہ لوگوں کے قرضے واپس کریں، پوری دیانتداری کے ساتھ اپنی اصلاح کریں اور اللہ کریم کے سامنے خود کو جوابدہ بنائیں ورنہ اس کا دوسرا پہلو بڑا خطرناک ہے۔ شیخ کی ذات تو ایک دریا ہوتی ہے، سمندر ہوتی ہے، سمندر میں اگر کچھ لوگ ہوں تو ان کے پاس پانی کی کمی نہیں ہوتی۔ حد نظر تک پانی ہی پانی ہوتا ہے۔ دریا میں ہوں تو پانی کی کمی نہیں ہوتی لیکن جب دریا سے نکلتے ہیں تو ہمارے پاس وہی رہ جاتا ہے جو چند قطرے ہمارے لباس پہ ہوتے ہیں اس کے علاوہ تو نہیں ہوتا۔ اس زندگی کے دریا سے جب کوئی پار اترتا ہے موت آتی ہے اس کیفیت سے آگے بڑھتا ہے تو اس کے پاس وہی قطرے ہوتے ہیں جو اس کے لباس میں ہوتے ہیں پھر دریا ساتھ نہیں جاتا۔ یا اس کے پاس کوئی برتن ہے تو اس برتن میں جو پانی ہے وہی ہوتا ہے۔ وہ برتن چھوٹا ہے یا بڑا ہے تو شیخ کی معیت میں مراقبات اور کیفیات چلتی رہتی ہیں۔ لیکن جب بندہ موت کے پل سے گزر کر اس پار جاتا ہے تو پھر اس کا جتنا اپنے دل کا برتن ہے اتنی ہی کیفیات اس کے پاس ہوتی ہیں اور میں نے بارہا یہ دیکھا ہے گزرنے والے احباب کو کہ یہاں وہ کیا باتیں کرتے تھے وہاں کیا کہتے ہیں۔ یہاں کتنا سرمایہ شمار کرتے تھے وہاں پہنچے تو کتنا نکلا؟ اس بات کو ذہن میں رکھیں کہ

ہمیں اپنا دامن وسیع کرنا ہے، برتن بڑا کرنا ہے اوران برکات کو لے کر پل صراط سے گزرنا ہے۔ دنیا کے معاملے میں دیانتداری کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیں غلطی ہو جائے تو اس کا ازالہ کریں۔ اللہ کریم سے معافی چاہیں۔ توبہ کریں۔ جو بندہ دوسروں کو اللہ کا دروازہ دکھاتا ہے وہ اپنی ضروریات کے لئے دوسروں کا دروازہ دیکھتا ہے کیسی عجیب بات ہے! کتنی عجیب بات ہے کہ ایک بندہ دوسروں کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اس کا دروازہ دکھاتا ہے اور اپنی ضروریات کے لئے دوسروں کا دامن پکڑتا ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ یہ اپنے آپ کے ساتھ دھوکہ ہے میں توقع کرتا ہوں اوراللہ کریم سے دعا بھی کرتا ہوں کہ مجھے دوبارہ ایسی باتیں نہ کہنی پڑیں امید بھی کرتا ہوں مجھے ان سے بھی امید ہے جن سے کوتاہیاں ہوئی ہیں کہ اللہ انہیں توفیق دے وہ اپنی اصلاح کریں۔ ہمارا مقصد اصلاح کرنا ہے، کسی کو جدا کرنا، کسی کو رسوا کرنا، کسی کو علیحدہ کرنا نہیں ہے۔ ایسا بے وقوف کون ہوسکتا ہے جو ایک ایک بندے کے لئے محنت کر رہا ہو اور جو اس کے ساتھ ہوں ان کو بھگانا شروع کردے یہ تو کوئی عقل مندی کی بات نہیں ہے۔ مجھے ایک ایک ساتھی عزیز ہے اور میں سب کے لئے دعا کرتا ہوں لیکن میری یہ مجبوری ہے کہ مجھے اصلاح احوال کے لئے ضرور کہنا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ آپ اپنا جواب دے کر بری ہو جائیں گے لیکن مجھے ہر اس بندے کے ساتھ کھڑا رہنا پڑے گا جو ایک لمحہ بھی جماعت میں شامل ہوا ہے۔ اور پوچھا مجھ سے یہی جائے گا کہ تم نے ان کوتاہیوں پر انہیں خبردار کیا تھا؟ اور یہ حق ہے کہ یہ میری ذمہ داری ہے لہٰذا میں کسی پر کوئی الزام لگانے کے لئے نہیں یا کسی کو پریشان کرنے کے لئے نہیں اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے عرض کر رہا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ سب کو توفیق دے اپنی اصلاح کرلیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ امراء اور صاحب مجاز افسر نہیں بن جاتے بلکہ ان کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے وہ بہت سے لوگوں کے لئے خدمت گار بن جاتے ہیں۔

اور یاد رکھیں جس طرح مجھے پوری جماعت کے ساتھ جواب دینا پڑے گا اسی طرح ہر صاحب مجاز کو، جتنے لوگ اس کے ساتھ متعلق احباب ہوں گے ان کے ساتھ کھڑے ہوکر جواب دینا پڑے گا اللہ کریم اصلاح احوال کی توفیق دے۔ توبہ کی توفیق دے اور اپنی رضا کے لئے زندہ رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آخری بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ احباب نے سیلاب زدگان کے لئے بہت تعاون کیا۔ اللہ کا ہم پر احسان ہے ہم نہ حکومت سے مانگتے ہیں نہ عام لوگوں سے چندہ مانگتے ہیں۔ الحمدللہ کبھی جماعت نے نہ چندہ کیا ہے نہ مانگا ہے اور نہ انشاء اللہ مانگیں گے۔ ہم اپنی محنت سے کماتے ہیں جو اللہ توفیق دیتا ہے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اللہ کریم کرتا ہے ساری ضروریات پوری ہوتی رہتی ہیں۔ الحمدللہ کسی حکومت سے آج تک کوئی گرانٹ اور کوئی پیسہ اللہ کا شکر ہے نہیں لیا اور نہ آئندہ لینے کا اللہ موقع لائے۔ یہ سب احباب کی قربانیاں ہیں اور اپنے رزق حلال میں سے بتوفیق الٰہی دیتے رہتے ہیں۔ سیلاب زدگان کے لئے ساتھیوں نے بہت دیا۔ الحمدللہ اس کا ایک ایک پیسہ پوری دیانتداری سے پشاور سے لے کر جنوبی پنجاب تک مختلف جگہوں پر پورے اس پروگرام کے تحت خرچ ہو رہا ہے۔ ہمارا جو پروگرام چل رہا ہے وہ یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو ایک ایک کمرے کا گھر بنا کر دیں تو اس کی ساری رپورٹ دفتر میں آجاتی ہے کوئی ساتھی دیکھنا چاہے تو دیکھ سکتے ہیں، ہم یہ کوشش کر رہے ہیں کہ ہر خاندان کو ایک ایک کمرہ جس میں وہ سما سکیں وہ بنا کر دیا جائے۔ اور وہ تعمیرات ہو رہی ہیں لیکن وہ ایک مسلسل عمل ہے۔ ہمارے پاس جو پیسے جمع ہوئے تھے وہ ایک کروڑ سے بھی کچھ لاکھ کم تھے۔ آج کل اس رقم کی اہمیت آپ سمجھتے ہیں۔ پاکستان میں تو شاید پانچ روپے کی ایک اینٹ آتی ہے تو اس کے لئے تھوڑی سی کوشش اور فرمائیں۔ اللہ توفیق دے اور اللہ ان قربانیوں کو قبول فرمائے۔ اس کے لئے مزید Effort کی ضرورت ہوگی تو اسے بھولئے نہیں،

جتنی اللہ توفیق دے جو ہو سکے وہ ضرور کوشش کریں کہ اس سیلاب زدگان کے فنڈ میں مزید رقم آئے تاکہ کچھ نہ کچھ اگر ایک جگہ 100 گھر بہہ گئے ہیں تو ہو سکے تو ہم دس گھروں کو ایک ایک کمرہ بنا دیں جو توفیق الٰہی ہو تو ساتھی وہاں دیکھتے ہیں جو سب سے زیادہ کمزور ہوتا ہے اس کی مدد کو بڑھتے ہیں خود انہیں بھی ساتھ لگاتے ہیں کچھ مزدور لگاتے ہیں کچھ ساتھی اپنی جماعت کے بھی ساتھ لگ جاتے ہیں اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ایک ایک کمرے کا گھر انہیں بنا کر دیا جائے۔ الحمدللہ اس کی رپورٹیں مرکز میں آتی ہیں۔ باتصویر آتی ہیں اور جو کوئی ساتھی دیکھنا بھی چاہے تو الاخوان کے دفتر میں موجود ہیں تو میری گزارش یہ ہے کہ ان کو بھولئے نہیں یہ امداد کے مستحق ہیں اور ہمارے پاس رقم تھوڑی رہ گئی ہے ختم ہونے کو ہے۔ اللہ توفیق دے تو امراء اور مجازین حضرات سے میری گزارش ہے کہ اس معاملے میں ساتھیوں سے تعاون کی گزارش کریں۔ اور اس میں مزید رقم آئے۔ اللہ توفیق دے اور اللہ قبول فرمائے اور اللہ اسے ہماری تلافی مافات کا سبب بنا دے۔

ایک بات جو میں کہنا بھول گیا میری ایک گزارش سن لیجئے۔ جو ایک قاعدہ، باضابطہ ایک بات کہہ دی جاتی ہے تو آپ کا کام اس پر عمل کرنا ہے ساتھی کچھ اس طرح سے بھی کرتے ہیں کہ یہ حضرت نے کہا ہے پھر وہ اپنے طور پر یا کسی کو کہہ کر بھیجیں گے۔ میں کسی مجلس میں بیٹھا ہوں کچھ لوگ بیٹھے ہیں، کوئی اپنی ضروریات والے بیٹھے ہیں یا کوئی بات کرنے والے بیٹھے ہیں تو وہ درمیان میں کہتے ہیں وہ بات اس طرح ہو جائے تو بہتر نہیں؟ نہ میں سنتا ہوں، نہ سمجھتا ہوں، نہ مجھے یاد ہوتی ہے، پھر وہ باہر جا کر کہتے ہیں میں نے اجازت لے لی ہے، اس طرح نہیں کرنا، اس طرح کرنا ہے۔ یہ طریق کار انتہائی نامناسب ہے اور انتہائی غلط ہے۔ حکم حکم ہے، جب پہنچ گیا تو آپ کے پاس اس کی وضاحت کا اختیار نہیں ہے یہ تصدیق کر سکتے ہیں اپنے ذرائع سے کہ یہ شیخ نے کہا ہے، ٹھیک ہے لیکن جب آپ کو پتہ ہے جس نے آپ کو Message دیا ہے کہ یہ شیخ کا حکم ہے تو حکم حکم ہے تو اس کے لئے اس طرح کے حربے استعمال نہیں کئے جانے چاہئیں۔ یہ میرے ساتھ اکثر ہوتا ہے جیسے یہ بات کہ اب یہ ہندوستان سے ساتھی آئے ہیں اللہ نے انہیں توفیق دی ہے یہاں بہت سے ساتھیوں کی روحانی بیعت ہوئی ہے لیکن آخری لمحہ ہے انہیں جانا ہے اور اس وقت دو آدمیوں کا نام خلافت کے لئے پیش کر دیا ہے یہ کوئی طریقہ ہے؟ کہ نہ مجھے ان آدمیوں کی تفصیلات بتائیں نہ ان کے مراقبات، نہ ان کا کاروبار، نہ ان کا لین دین۔ کچھ تفصیلات نہیں بتائیں۔ اب آپ لاری چڑھنے والے ہیں اور میں دعا مانگنے والا ہوں۔ اس وقت آپ نے لسٹ بھیج دی کہ آپ دستخط کر دیں۔ شیخ سے کام کرانے کا یہ طریقہ نہیں ہے یہ تو سرکاری دفتروں میں کیا جاتا ہے کہ جب چھٹی قریب آئے تو فائل پیش کرنا کہ جاتے جاتے صاحب ''گھگی پا جائے'' پڑھنے کا موقع ہی نہ دیں کہ فائل میں کیا ہے؟ یہ جتنی فراڈ فائلیں ہوتی ہیں یہ اس طرح دستخط کرائی جاتی ہیں کہ جب صاحب گھر جا رہا ہو تو گاڑی میں فائل لے جانا کہ صاحب یہاں دستخط رہتے ہیں یہ دستخط کیے جاؤ۔ وہ تو ''گھگی پا دے گا'' اسے نہیں پتہ اس میں کیا ہے، تو یہ طریقہ کار صحیح نہیں ہے اور ایک بات کہ جو مرکز سے حکم جاتا ہے خواتین بھی سن رہی ہیں اور احباب بھی۔ مرکز کا جو حکم جاتا ہے اس کی تاویلات نہ کی جائیں، کسی کو شبہ ہو تو وہ تحقیق کرے کہ وہ حکم ہے یا نہیں۔ ہاں! خلاف شریعت ہو تو مت مانیں لیکن انتظامی امور میں جو قاعدے، طریقے بتا دیئے جاتے ہیں ان پر عمل کیا جاتا ہے جرح نہیں کی جاتی اور پھر یہ طریقہ کار غلط ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی اکثر یہ ہوتا تھا کہ جب آپ کسی اور طرف مصروف ہوئے کوئی ساتھی اور طرف کی بات کر دیتا خواہ اسے حضرت Ignore کر دیتے لیکن وہ جا کے ایک بات کہہ دیتا تھا کہ میں نے پوچھ لیا ہے۔ جی میں نے یہ پوچھ لیا ہے۔ حالانکہ وہ حضرت کو پتہ ہی نہیں ہوتا تھا اور اب میرے ساتھ بھی یہ ہوتا ہے تو خدا کے لئے اس طرح کے کام نہ کئے جائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے دورہ اسلام آباد کے موقع پر حافظ عبدالرزاق صاحبؒ کی محفل سوال و جواب

جمیل شاہ ایبٹ آباد

حافظ عبدالرزاق (مرحوم) 1981 کو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ اسلام آباد تشریف لائے۔ رات کی محفل ذکر میں شرکت نصیب ہوئی۔ مختصر سا قافلہ حویلیاں سے بھی حاضر خدمت ہوا۔ ہمارے ہمراہ ایک رشتہ دار تھے جو سکول ٹیچر تھے اور کافی عرصہ سے جماعت اسلامی سے تعلق رکھتے تھے صبح سویرے جب حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ آرام فرمانے لگے تو ہمیں پروفیسر حافظ عبدالرزاق (مرحوم) کی محفل سے استفادہ کا موقعہ مل گیا۔ میں نے ہمت کرتے ہوئے حافظ صاحب سے تعارف کروانا شروع کیا جب ہمارے رشتہ داروں کو معلوم ہوا کہ (مرحوم) حافظ صاحب کا تعلق بھی جماعت اسلامی کی مرکزی شوریٰ سے رہا ہے تو گفتگو مزید خوشگوار ماحول میں شروع ہوئی۔ محفل میں سوالات کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ میں بھی کاغذ اور قلم لے کر لکھنے بیٹھ گیا۔

پہلا سوال: مولوی نورالحق صاحب کا تھا کہ معلوم ہوا ہے کہ جناب نے ذکر کے لئے طریقہ جدید نکالا ہے۔ یہ ذکر زبان سے نہیں ہوتا بلکہ سانس کے ذریعے ہوتا ہے۔ سر بھی مارا جاتا ہے جیسے مجنوں ہو اور ناک سے بھی شوں شوں کی آواز آتی ہے۔ غرض یہ ہے کہ یہ طریقہ ذکر جناب نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے یا صحابہ کرامؓ سے یا کسی امام سے یا کسی اور بزرگ دین سے؟

جواب: آپ نے پہلا جملہ ہی یہ کہا کہ ہم نے ذکر خدا کے لئے طریقہ جدید نکالا ہے تو سب سے پہلے آپ ہی بتائیں کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ یہ طریقہ جدیدہ ہے اور پھر یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہم اس طریقہ کے موجد ہیں تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک علم تصوف و سلوک کا تعلق ہے آپ اس سے بال بال بچ گئے ہیں۔ اور جہاں تک عملی پہلو کا تعلق ہے آپ نے اس کوچہ میں قدم ہی نہیں رکھا۔ ہاں اگر آپ ذکر الٰہی اور لطائف کے متعلق علمی حد تک واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو حضرت شاہ ولی اللہؒ کی 'الطاف القدس' کا مطالعہ فرمالیں اور جہاں تک ذکر کے متعلق مختلف طریقوں کا تعلق ہے آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی 'ضیاء القلوب' کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ اس مطالعہ کے بعد آپ ایک اور مشکل میں پھنس جائیں گے۔ ذکر یک ضربی دو ضربی وغیرہ کا بیان پڑھ کر آپ سوچیں گے کہ یہ ضرب کوئی ہتھوڑے سے یا کلہاڑے سے ماری جاتی ہے اگر یہ ضرب جسم کی حرکت یا سر کی حرکت سے سمجھی جائے تو آپ کا سوال کہ سر بھی مارا جاتا ہے آپ کو اور پریشان کرے گا اور اسے آپ جنون سمجھتے ہیں مگر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "**اَکْثِرُوْا ذِکْرَاللّٰہِ حَتّٰی یَقُوْلُوْا مَجْنُوْن**۔ یعنی "اللہ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہنے لگیں" اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہاں تو دیوانہ بننا مطلوب ہے اور آپ کے نزدیک دیوانوں کی طرح ذکر الٰہی کرنا معیوب ہے۔ اب نبی کریم ﷺ سے آپ کا اختلاف دور کیسے ہو؟ اللہ تعالیٰ ہی کوئی

صورت پیدا کرے۔ رہا یہ سوال کہ کیا یہ طریقہ ذکر نبی کریم ﷺ سے یا صحابہؓ سے ثابت ہے تو اس سلسلے میں ایک اصولی بات سن لیں۔ ایک ہوتا ہے مقصد اور ایک ہوتا ہے ذریعہ۔ مقصد علیٰ حالہٖ قائم رہتا ہے مگر تدبیر بدلتی رہتی ہے اور تدبیر کے بدلنے سے یہ ہرگز نہیں سمجھا جاتا کہ مقصد بھی بدل گیا ہے میں آپ کے سامنے یہ سوالات رکھتا ہوں ان پر توجہ فرمائیں۔

۱۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں جہاد فرض تھا اور یہ مقصد تھا مگر ذریعہ یا تدبیر یہ تھی کہ تیر سے یا نیزے سے لڑائی ہوتی تھی۔ سواری کے لئے اونٹ اور گھوڑا استعمال ہوتا تھا۔ اب آپ ہی بتائیں جب ہم پر جہاد فرض ہے تو اسی تدبیر پر اکتفا کرنا پڑے گا جو اس زمانے میں استعمال ہوئی۔ کیا جدید آلات حرب، سواری اور باربرداری کے لئے مشینی آلات کا استعمال اس لئے ناجائز ہوگا کہ حضور اکرم ﷺ یا صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں یہ طریقہ استعمال نہیں ہوا؟

۲۔ تعلیم دین فرض ہے علیٰ قدر مراتب حضور اکرم ﷺ کا طریقہ کیا تھا۔ آپ کیسے دین کی تعلیم دیتے تھے؟ اب بھی دین کی تعلیم دینا اور حاصل کرنا ضروری ہے مگر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے نہ تو صرف ونحو پڑھی نہ بخاری اور ترمذی کا درس ہوتا تھا۔ نہ جلالین مدارک اور بیضاوی کی تدریس ہوتی تھی نہ ہدایہ، شرح وقایہ، شرح جامی کے درس دیئے جاتے تھے۔ اگر تعلیم دین کے لئے یہ سب تدابیر اختیار کرنا دور نبوی ﷺ اور دور صحابہؓ کی صریح مخالفت ہے تو دنیا بھر کے دینی مدارس بند کر دینے ضروری ہیں۔

۳۔ تبلیغ واشاعت دین فرض ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے عمر بھر تبلیغ کی مگر طریقہ کیا تھا؟ اگر اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا غلط ہے تو یہ کتابیں دھڑا دھڑ کیوں لکھی جارہی ہیں؟ ماہنامے اور ہفتہ وار رسائل کیوں پھیلائے جارہے ہیں؟ کیا اسے نبی کریم ﷺ کی مخالفت کا نام دیں گے؟ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جبل رحمت پر کھڑے ہوکر جو خطبہ دیا تھا آپ کو معلوم ہے کہ سامعین کی تعداد کتنی تھی؟ اور کبھی آپ نے یہ بھی سوچا ہے کہ اتنے آدمیوں تک حضور اکرم ﷺ کی آواز کیسے پہنچی؟ یہ معجزہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ ہر کان تک یوں پہنچے جیسے پاس ہی کھڑا کوئی سنا رہا ہو۔ لیکن آج اتنی مخلوق کو سنانے کے لئے لاؤڈ سپیکر کے استعمال کے بغیر کوئی صورت ممکن نہیں تو آج اس کا استعمال اس لئے ناجائز قرار پائے گا کہ حضور اکرم ﷺ یا صحابہ کرامؓ نے لاؤڈ سپیکر استعمال نہیں کیا؟

۴۔ آپ ایک آدمی کو کہتے ہیں کہ فلاں جگہ جو آدمی سو رہا ہے اسے آواز دو اور جگا لاؤ وہ تھوڑی دیر میں واپس آتا ہے کہ جناب میں نے آواز دی وہ نہیں جاگا۔ تو آپ اگر کہیں کہ میں نے سینکڑوں آدمیوں کو اس طرح جگایا کہ آواز دی اور وہ اٹھ کھڑے ہوئے بلکہ میں دبے پاؤں ان کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ آہٹ پا کر ہی بیدار ہوگئے۔ وہ کہے کہ آپ آئیں ذرا یہ تجربہ اس گھوڑے بیچ کر سونے والے پر آزمایئے آپ آواز پر آواز دیتے ہیں مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ اب آپ واپس چلے جائیں اور اسے سونے دیں۔ یہ صورت آپ اس وقت اختیار کریں گے جب جگانا مقصود نہیں بلکہ یہ محض دل لگی تھی دوسری صورت یہ ہے کہ آپ نے اسے ہر حال میں جگانا ہے اب آپ کو تدبیر میں تبدیلی کرنی پڑے گی آواز دے کر آپ چھوڑ نہیں دیں گے بلکہ آپ اسے جھنجھوڑیں گے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ماریں گے آپ اسے اٹھا کر بٹھا دیں گے۔ بلکہ اسے پکڑ کر چارپائی سے اتاریں گے اور چند قدم چلائیں گے۔ پھر جا کر اس

کی آنکھ کھلے گی کوئی آپ سے کہے کہ آپ نے یہ نیا طریقہ کیوں ایجاد کیا تو آپ یہی کہیں گے کہ اسے جگانا مقصد تھا اور اس کے بغیر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ تدبیر تو محض ذریعہ ہے جسے بدلا جا سکتا ہے۔

اس سے سمجھ لیجیے کہ حضور اکرم ﷺ کی نگاہ میں وہ اثر تھا کہ برسوں کے سوئے ہوئے قلوب بس ایک نگاہ میں بیدار ہو گئے۔ اب وہ نگاہ کوئی کہاں سے لائے کہ قتل کے ارادے سے آنے والا سامنے آئے تو قدموں میں گر جائے۔ اب تو میرے بھائی خفتہ دلوں کو جگانے کے لئے سو سو جتن کرنے پڑتے ہیں مگر یہ کام وہی کرے جسے سونے والوں سے خیر خواہی ہو اور جسے اس سے محبت ہو جس نے جگانے کی ذمہ داری سونپی ہے۔

محبت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر
کہ ساحل سے کبھی اندازۂ طوفان نہیں ہوتا

دوسرا سوال تھا۔ آج کل کے پیر فقیر یا صوفیائے عظام اکثر ذکر الٰہی کرتے ہیں اور ذکر میں لفظ اللّٰہ' کو استعمال کرتے ہیں حالانکہ یہ تلفظ قرآن مجید میں کہیں نہیں۔ قرآن مجید میں تو ایسا آتا ہے اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یا پھر اشارے کی ضمیر آتی ہے لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، لَہٗ میں ہٗ جو ہے اس کا اشارہ ماقبل کی طرف ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ غلط پڑھنے سے یہ ذکر الٰہی کیسے بن جاتا ہے۔ اگر ذاتی نام کو ہی صحیح نہ پکارا جائے تو ذکر کا فائدہ کیا ہوگا اگر اللّٰہ' والی ھا کو موقوف کریں تو اللّٰہُ پڑھا جائے گا یہ صحیح رہے گا۔ اگر حرف ہٗ کو اللہ سے علیحدہ کریں تو اَلّا رہ جاتا ہے جو اصل میں ان لا ہوگا جب قانون عائد کریں گے اَنْ لَا بنے گا جس کے معنی نفی کے بنیں گے تو پھر یہ کیسے ذکر ہوا؟

حضرت حافظ صاحبؒ فرمانے لگے شاہ صاحب آپ بھی کمال آدمی ہیں۔ میرے خیال میں آپ نے تصوف و سلوک کی کوئی کتاب اتفاق یا غلطی سے بھی نہیں دیکھی ورنہ ''آج کل'' کی بات کرنے سے پہلے آپ سینکڑوں مرتبہ سوچتے۔

آپ نے ''ان لا'' کے جال میں جو اپنے آپ کو جکڑ رکھا ہے اس سے نکالنے کی کوشش کرتا ہوں نتیجہ اس کے ہاتھ میں ہے جس کے نام کا تجزیہ کر کے حاصل تحقیق کو نفی تک پہنچایا۔ اللّٰہ ھُوَ یہ اسم مفرد نہیں بلکہ مرکب تام یا جملہ ہے جو مبتدا اور خبر سے مرکب ہے۔ اس کے دو اجزاء جب علیحدہ علیحدہ پڑھے جائیں گے تو تلفظ ہوگا اَللّٰہُ ھُوْ جب ان دونوں پر وقف ہوگا تو تلفظ یوں ہوگا اَللّٰہْ ھُوْ۔

شاہ صاحب تعجب ہے جو حقیقت ایک فلاسفر اور مغربی تہذیب کے پروردہ مسلمان کی سمجھ میں آ گئی وہ ایک مشرقی حکیم اور ایک ٹیچر کے ذہن میں نہیں آئی۔ پتہ ہے وہ کیا کہتا ہے:

جہانِ دل جہانِ رنگ و بُو نیست
درو پست و بلند و کاخ و کو نیست
زمین و آسمان و چار سو نیست
دریں عالم بجز اللہ ہو نیست

بلکہ وہ تو یہاں تک کہہ گیا اور بڑے وثوق سے کہہ گیا ہے

نصیب اوست مرگ ناتمامے
مسلمانے کہ بے اللہ ہو زیست

ایک دوسرے صاحب جو وہاں اچانک محفل میں شامل ہو گئے انہوں نے ساری مجلس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی اور سوالات شروع کر دیئے کہنے لگے میں نے درس نظامی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد مولانا اشرف علی تھانویؒ کی تصانیف اور دوسرے اکابرین علماء کی کتب کا بھی سیر حاصل مطالعہ کیا ہے۔ تہجد بھی پڑھتا

ہوں اور مسنون دعائیں اور تلاوت کلام پاک بھی باقاعدگی سے کرتا ہوں۔ایک دوست کی وساطت سے دلائل السلوک کا مطالعہ کرنے سے کسی شیخ کامل سے روحانی فیض حاصل کرنے کی کمی محسوس ہوئی۔

میرا سوال یہ ہے کہ اقامت دین نہایت اہم فریضہ ہے اور اس دور میں غیر اسلامی ماحول میں چند ساعت ذکر و تسبیح کرنا اور اصلاح قلب کی کوشش میں رہنا باقی سارا وقت مرید کا ایسے ماحول میں گزارنا جہاں چکلوں کی آمدنی سے گندم خریدی اور کھلائی جاتی ہے اور جہاں سودی کاروبار زوروں پر ہو، ایسے ماحول میں چند لمحے شیخ کامل سے ذکر اللہ کیا فائدہ دے سکتا ہے؟ کام تو یہ ہے کہ تمام ذاکرین کو اقامت دین کے لئے خدا کے باغیوں کا مقابلہ کرنا چاہیے آخری بات یہ ہے کہ اس گناہگار کو ذکر و فکر عمر بھر کرنے سے کچھ نہیں ملا میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم سب کو اقامت دین کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ذکر و فکر موثر اور پائیدار رہو۔

جواب ارشاد فرمانے لگے: مولانا آپ کو کثرت ذکر کی عادت بچپن سے ہے اور آپ کا علمی پہلو یہ ہے کہ آپ درس نظامی کر چکے ہیں سنت کی پابندی اور تہجد آپ کی عادت میں داخل ہے آپ عملِ صالح کے پیکر ہیں تو میری گزارش آپ سے یہ ہے کہ کس چیز کی کمی آپ میں رہ گئی ہے کہ آپ حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہونا چاہتے ہیں؟ ایک طرف تو آپ اپنے آپ کو ایک طالب علم، متلاشی مسائل کی حیثیت سے پیش کرنا چاہتے ہیں دوسری طرف اپنے لئے آپ کو استاد، ناصح، مرشد اور ہادی کی حیثیت یاد آگئی ہے اور اقامت دین کے اہم فریضہ کے بارے مشورہ دینے لگے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جب آپ استفادہ کا ارادہ رکھتے ہیں تو خیال آرائی اور مشورہ دینے کا یہ کون سا موقع ہے؟ اگر کوئی مریض کسی ڈاکٹر سے کہے کہ میں علاج کرانے کا ارادہ رکھتا ہوں پھر اسی وقت کہنا شروع کر دے کہ میرے خیال میں فلاں دوائی بڑی اچھی ہے اور ضروری ہے تو ڈاکٹر اس کے بغیر کیا کہہ سکتا ہے کہ صاحب جب آپ خود دوائی تجویز کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں تو میرے پاس آنے اور علاج کرانے کا ارادہ ظاہر کرنے کا کیا مطلب ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ ''اقامت دین'' کس بلا کا نام ہے؟ اگر دین سے مراد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرنے اور اس کی اشاعت کرنے کا نام ہے تو ذکر الٰہی کے متعلق اللہ ورسول ﷺ نے کیا حکم نہیں دیا؟ اگر سینکڑوں آیات قرآنی اور سینکڑوں احادیث نبوی میں ذکر الٰہی کی کثرت کا حکم پایا جاتا ہے تو اس حکم کی تعمیل کرنا اور ذکر کرنا کیا دین سے الگ کوئی چیز ہے؟ اگر نہیں تو آپ اقامت دین کی مہم سے اس حکم کو کیوں خارج سمجھتے ہیں؟

محترم آپ فرما رہے ہیں اقامت دین کے لئے خدا کے باغیوں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔محترم آپ کا مشورہ تو مناسب ہے مگر مقابلہ کے لئے سلیقہ بھی درکار ہے، تیاری بھی ضروری ہے اور اسلحہ بھی ضروری ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ جس شخص کا اللہ سے اتنا تعلق ہے کہ اس کا نام لینا بھی گوارا نہیں، کیا وہ اللہ کا بڑا ہی وفادار سپاہی ہوا؟ جو اللہ کا باغی ہے وہ باغیوں کا مقابلہ کرے گا یا خود باغیوں میں شامل ہو کر ان کی قوت میں اضافہ کرے گا؟ جو شخص اپنے پانچ فٹ جسم پر دین کی چھاپ نہیں لگا سکتا اور اپنے ازلی دشمن شیطان کا مقابلہ نہیں کر سکتا جس نے اپنی چھوٹی سی سلطنت میں اپنے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں جو عملاً اپنے قریبی ماحول میں شیطان کی برتری تسلیم کئے بیٹھا ہے وہ اللہ کے باغیوں کا کیا خاک مقابلہ

کرے گا۔ ایسے خدا بیزار، لذت پرست اور محض باتونی سپاہیوں سے مل کر جو فوج بنی ہو وہ اللہ کے باغیوں کا مقابلہ کر ے گی؟ کیا اس مفروضے کو معقول تصور کرنے کے لئے کوئی ذی ہوش انسان تیار ہے؟ اس مہم کی تیاری اور سپاہی کے اسلحہ کی نشاندہی تو خود اس ذات نے کر دی جس نے چودہ صدیاں پہلے اقامت دین کی مہم چلائی تھی۔ محترم! میرے خیال میں آپ کو حضور اکرم ﷺ کا فرمان ضرور یاد ہوگا کہ شیطان کے حملوں سے بچنے کے لئے انسان کے لئے کوئی چارہ نہیں سوائے اس کے کہ انسان اپنے دل کے گرد ذکر الٰہی کا حصار تعمیر کرے او کما قال رسول اللہ ﷺ۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو اسلحہ اتنے بڑے باغی کو شکست دینے کے لئے بقول رسول اللہ ﷺ کارآمد ہے وہ اس کی ذریت اور انسانی شطونگڑوں کے مقابلہ میں کوئی کام نہیں آسکتا۔ ذکر الٰہی تو دراصل ماحول کو بدلنے کی تیاری کا نام ہے۔ پہلے خود کو بدلو پھر ماحول کو بدلو اور یہ نرا دعویٰ نہیں تاریخی حقیقت ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، امام ربانی مجدد الف ثانیؒ و علی ہجویریؒ، امام شاملؒ کے پاس یہی اسلحہ تو تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہمیشہ حرا کے بعد بدر کا نمبر آیا کرتا ہے۔

پھر آپ کہتے ہیں کہ مجھ گنہگار کو عمر بھر ذکر و فکر کرنے سے کچھ نہیں ملا۔ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے مجھے آپ کی اس محرومی کا افسوس تو ضرور ہے مگر اس سلسلہ میں چند امور قابل غور ہیں۔ پہلی بات یہ محسوس ہوتی ہے کہ آپ نے ذکر و فکر کرنے سے پہلے یہ طے کر لیا ہوگا کہ مجھے یہ کچھ ملے گا جب وہ نہ ملا خواہ اور بہت کچھ مل گیا ہو آپ نے یہی محسوس کیا کہ مجھے کچھ نہیں ملا۔ ایسا احساس عقلاً غلط ہے کیونکہ بندہ کی یہ طاقت نہیں کہ اپنی پسند کے مطابق لے بلکہ اس کا انحصار تو دینے والے کی پسند پر ہے پھر شکایت کیوں؟

دوسری بات یہ ہے کہ آپ فرما چکے ہیں کہ ذکر و فکر کی عادت بچپن سے ورثہ میں ملی ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس میراث کے ساتھ اس امر کی تعیین بھی ورثہ میں ملی تھی کہ ذکر و فکر سے یہ ملے گا۔ اگر یہی بات ہے تو آپ کا یہ احساس بجا ہے کہ کچھ نہیں ملا۔

تیسری بات ہے کہ آپ فرما رہے ہیں کہ ذکر کی مواظبت اور اقامت صلوٰۃ طبیعت ثانیہ بن گئی ہے۔ سنت کی پابندی اور تہجد عادت میں داخل ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ عمر بھر صرف ذکر ہی نہیں کرتے رہے بلکہ اقامت صلوٰۃ، تہجد اور سنت کی پابندی کرتے رہے ہیں۔ ذکر و فکر سے تو بقول آپ کے کچھ نہیں ملا تو کیا اقامت صلوٰۃ، تہجد اور سنت کی پابندی سے بھی کچھ ملا ہے یا یہ خانے بھی خالی ہیں؟ تو جب ذکر و فکر سے کچھ نہ ملنے سے ان کی افادیت ختم ہوگئی تو امید ہے جناب آپ نے یقیناً یہ معاذ اللہ عبث کام چھوڑ دیا ہے خدانخواستہ اگر یہی حالت ہے تو یہ بڑی افسوسناک ہے۔

سنیے ذکر کے دو اثرات بیان ہوئے ہیں۔ اول: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ الرعد: 28 خبردار اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ تو کیا آپ کو عمر بھر ذکر کرنے سے اطمینان قلب حاصل ہوا یا نہیں؟ اگر حاصل ہوا تو ظاہر ہے کچھ مل گیا ہوگا۔ اگر نہیں حاصل ہوا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ آپ کو اس کی ضرورت ہی نہیں تھی اور آپ یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ آم کے درخت پر انار لگیں گے اور وہ نہ لگنے تھے اور نہ لگے۔ اور محترم جناب دوسری صورت یہ ہے کہ آپ نے عمر بھر ذکر کیا ہی نہیں بلکہ ذکر کی ایکٹنگ کی۔ جب خالق نے آگ میں جلانے کی خاصیت رکھی ہے تو کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ آگ جل بھی رہی ہو اور گرمی نہ دیتی ہو اور نہ جلاتی ہو بلکہ برف کی ٹھنڈک محسوس ہوتی ہو۔ تو معلوم ہوا کہ آگ جلائی ہی نہیں گئی بلکہ شعلوں کی تصویر بنائی گئی ہے۔

ذکر کا دوسرا اثر فرمایا، فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ البقرہ:152 یعنی میرے بندو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ اس امر کی تعیین کہ وہ بندے کو یاد کرتا ہے مادی ذرائع سے ممکن نہیں ایک ہی طریقہ ہے کہ بندہ اپنے خالق کی بات پر یقین کرے تو کیا آپ اپنے خالق کی اس یقین دہانی پر بھی یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ کچھ نہیں ملا؟ تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

موقع غنیمت جانتے ہوئے ہمارے ایک دوست جو راولپنڈی میں سروس کرتے تھے انہوں نے بھی جلدی جلدی چند سوالات لکھے اور حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ ان کے سوال یہ تھے۔

۱۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے دل اور رسول اللہ ﷺ کے دل کے درمیان ایک باریک تار لگی ہوئی ہے؟

۲۔ چھ ماہ میں رسول اللہ ﷺ سے شرف ملاقات آپ لوگ کس طرح حاصل کر لیتے ہیں؟

۳۔ مردے کی روح سے کس طرح بات ممکن ہے؟

۴۔ قبر کا عذاب کس طرح دیکھا جا سکتا ہے؟

حافظ صاحب (مرحوم) فرمانے لگے آپ کے سوالات میں ایک قدر مشترک ہے۔ کہ "یہ کس طرح ہو سکتا ہے" اس کا جواب حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ پہلا یہ کہ جو کام کرنے کا ہے وہ کہنے سننے سے نہیں ہو سکتا۔ مثلاً آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آدمی خوش نویس کیسے بن سکتا ہے؟ تو آپ اس فن کی کتابیں پڑھ کر تمام معلومات حاصل کرنے اور فنی باریکیوں کے جاننے کے باوجود خوشنویس نہیں بن سکتے۔ ہاں ایک طریقہ ہے کہ کسی ماہر خوش نویس کے پاس بیٹھیں اس کی ہدایت کے مطابق لکھنا شروع کر دیں اپنی صلاحیت کے مطابق کچھ عرصہ تک لکھتے رہنے کے بعد آپ خوشنویس بن جائیں گے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ گھوم پھر کر دیکھیں کہ کیا دنیا میں خوشنویسوں کا وجود پایا جاتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو بھلے مانسی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ یہ سوال بھی زبان پر نہ لائیں کہ آدمی خوشنویس کس طرح بن سکتا ہے۔ اب تقاضا یہ ہے کہ آپ اہل فن کے پاس بیٹھیں اور سیکھیں کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے یا آنکھیں کھول کر تاریخ کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ کیا ایسے لوگ دنیا میں پائے جاتے رہے یا نہیں۔ خوشنویسی کے متعلق تو باتیں میں آپ کے سامنے عرض کر رہا ہوں یہ امور عادیہ سے متعلق ہیں اور جو سوالات آپ پوچھ رہے ہیں ان کا تعلق خرقِ عادت سے ہے۔

جب امور عادیہ میں بھی خود کرنے کی بجائے محض اعتراض کر دینے سے کام نہیں چلتا تو خرق عادات میں کس طرح ہو سکتا ہے۔ اگر اسلام کی تاریخ میں صحابہؓ سے لے کر اب تک امور خرق عادات کا سرسری مطالعہ بھی کیا جائے تو شمار میں نہیں آ سکتے۔ میرے بھائی تاریخ کے اوراق سے ان واقعات کو آپ کیسے کھرچیں گے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ایک برگزیدہ بندہ ایک لاکھ چوبیس ہزار آدمیوں کے سامنے خطبہ دیتا ہے اور اس کی آواز ہر شخص سن لیتا ہے آپ ضرور کہیں گے یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ایک مقبول بندہ دریائے نیل کو خط لکھتا ہے اور دریا اس کے اشارے پر چلنا شروع کر دیتا ہے آپ کہیں گے یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟

۳۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایک جنگل میں جاتے ہیں ان میں سے ایک فرد ایک بلند مقام پر کھڑا ہو کر اعلان کرتا ہے کہ اے جنگل کے درندو! ہمیں یہاں رہنا ہے اس لئے یہ جنگل خالی کر دو چنانچہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ درندے اپنے بچوں کو اٹھائے بھاگے جا رہے تھے آپ کہیں گے یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟

اس لئے محترم میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب 'الفتح الربانی'۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی 'تفہیمات الٰھیہ' اور 'فیوض الحرمین'۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی 'ضیاء القلوب' اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی 'محفل ذکر' کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

حافظ صاحب فرمانے لگے ''یار زندہ صحبت باقی'' ان شاء اللہ باقی سوالات آئندہ محفل کے لئے محفوظ رکھیں یا میرا مشورہ ہے کہ سالانہ اجتماع کے دوران دارالعرفان منارہ تشریف لائیں وہیں مل بیٹھیں گے اور آپ کے باقی ماندہ سوالات کے جوابات دیتے جائیں گے۔

لیکن حویلیاں سے آئے جہانزیب سکول ٹیچر نے سمجھا کہ شاید پھر موقع ہاتھ نہ آئے اور میرے دل میں کھٹکتے ہوئے سوالات کی تشفی نہ ہو سکے اس لئے جلدی جلدی اپنے دل میں کھٹکتا ہوا سوال حاضر خدمت کر دیا۔ کہنے لگے، حضرت حافظ صاحب! باقی باتیں تو مجھے سمجھ آگئی ہیں لیکن یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ تمام مریدین حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے سر جھکائے خاموش بیٹھے ہیں اور اگر کوئی بات کرنا بھی چاہتا ہے تو اشارے سے۔ شاید یہ پیر پرستی کی وجہ سے ہو۔

حافظ صاحب فرمانے لگے بہت دیر کر دی آپ نے آتے آتے بہر حال سنیے ۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَجَلَسْنَا حَوْلَہٗ کَاَنَّمَا عَلٰی رُءُوْسِنَا الطَّیْرُ (سنن أبی داود، باب فی المسألة فی القبر وعذاب القبر) براء ابن عاذب راوی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک مجلس میں نبی کریم ﷺ قبلہ رخ بیٹھ گئے اور ہم بھی آپ کے پاس بیٹھ گئے مگر کیفیت یہ تھی جیسے ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ محترم صحابہ کرامؓ کی یہ حالت صرف اس وجہ سے ہوتی تھی کہ وہ حضور اکرم ﷺ کو مصدر ہدایت سمجھتے تھے اور اپنے آپ کو محتاج سمجھتے تھے۔ صوفیائے کرام اس مسئلہ میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی اتباع کرتے ہیں۔ جن آداب کا مظاہرہ صحابہ کرامؓ نے کیا اسی کی اتباع ہمارے لئے لازم ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر جلد نمبر 1 صفحہ 261 پر فرمایا ہے شیخ کا مرتبہ ماں باپ سے اونچا ہے کیونکہ ماں باپ دنیا کی آگ اور اس کی آفتوں سے بچاتے ہیں اور شیخ اسے دوزخ کی آگ اور اس کی سختی سے بچاتے ہیں۔

اپنے مربی اور محسن کی عقیدت کے بارے شاید کبھی آپ کی نظر سے یہ حدیث مبارکہ نہیں گزری وَمَا تَنَخَّمَ النَّبِیُّ ﷺ نُخَامَةً اِلَّا وَقَعَتْ فِیْ کَفِّ رَجُلٍ مِنْھُمْ فَدَلَکَ بِھَا وَجْھَہٗ وَجِلْدَہٗ (صحیح البخاری، باب البذاق والمخاط ونحوہ فی الثوب) صحابہ کرامؓ حضور اکرم ﷺ کی تھوک زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے ہاتھوں میں لے کر اپنے منہ اور بدن پر مل لیتے تھے اور دوسری جگہ ارشاد پاک ہے وَاِذَا تَوَضَّاَ النَّبِیُّ ﷺ کَادُوْا یَقْتَتِلُوْنَ عَلٰی وَضُوْئِہٖ (صحیح البخاری، باب استعمال فضل وضوء الناس) حضور اکرم ﷺ وضو کرتے تو جو پانی گرتا اس کو حاصل کرنے کے لئے صحابہ کرامؓ جھپٹتے تھے۔

محترم جناب ایسے کئی واقعات سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں آپ کو مشورہ دوں گا کہ ان کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔ ایسے واقعات اس بات کی کھلی دلیل ہیں کہ یہ سب کچھ صحابہ کرامؓ کو حضور اکرم ﷺ سے سچی عقیدت ومحبت کی وجہ سے تھا۔ اور اس محفل میں بھی آپ ان شاء اللہ کوئی غیر شرعی فعل صادر ہوتا ہوا نہیں دیکھیں گے۔

گھنٹہ ڈیڑھ کی سوالات و جوابات پر مبنی محفل ختم ہوئی۔ اور تمام احباب واپس گھروں کو چلے۔

25-07-10

سورۃ بقرہ

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

بغیر عقائد و اعمال کی اصلاح کے محض کسی ولی اللہ سے منسوب ہونا کافی نہیں:

آیہ کریمہ ہے وَاتَّقُوْا يَوْمًا O البقرہ 48:۔ نبی اسرائیل سے فرمایا گیا ہے اُس دن سے ڈرو جب اللہ کریم کے سامنے پیش ہونا ہے اور کسی شخص کا کوئی مطالبہ یا سفارش قبول نہیں ہوگی اس میں دلیل ہے کہ محض مقبولین کی طرف منسوب ہونا بدون ایمان و عمل صالح کے نافع نہیں یہ لوگ انبیاء علیہ السلام کی اولاد تھے پر دیکھئے ان پر کس قدر لتاڑ ہے فرمایا نبی اسرائیل انبیاء کی اولاد میں سے تھے سارے یعقوبؑ کی اولاد تھے اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا لقب تھا نبیوں کی اولاد تھے لیکن اللہ کریم نے انہیں کس قدر لتاڑ دی (مولانا نے لفظ لتاڑ لکھا ہے) یعنی انھیں کتنی سخت تنبیہ کی اُس دن سے ڈرو جب اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور اپنے کردار کی اصلاح کرو تو فرماتے ہیں ولی اللہ کی طرف صرف منسوب ہو جانا کہ میں فلاں کا مرید ہوں یہ کافی نہیں جب تک عقائد و اعمال کی اصلاح نہ کی جائے صرف اس پر جان نہیں بچے گی کہ میں فلاں کا مرید ہوں ورنہ یہ نبیوں کی اولاد تھے ان پر تنبیہ کیوں ہوئی تھی؟

چلہ کی اصل:

قولہ تعالیٰ وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ O البقرہ 51: جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس رات کا وعدہ کیا اس میں اہل سلوک کے چلہ کی اصل ہے یہ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہے لیکن جب اس کو نقل کر کے اس پر انکار نہیں کیا گیا تو ہمارے لئے حجت ہوگئی یعنی اللہ کریم نے قرآن حکیم میں اس قصے کو بیان فرما کر اس پر عمل کرنے سے منع نہیں فرمایا اگر کوئی شخص شرعی حدود کے مطابق چلہ کشی کرتا ہے تو ایسا کرنا جائز ہے چلے کے بارے میں یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ آپ چلہ لگاؤ آپ کے کام اللہ کرتا رہے گا اس کا کوئی شرعی جواز نہیں ہے اگر کوئی چلہ تبلیغ میں لگانا چاہتا ہے کوئی یہاں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا چاہتا ہے تو اسکے ذمہ واجب ہے کہ وہ جہاں ملازم ہے جہاں اُس کا کام ہے وہاں سے فراغت حاصل کرے اور اجازت لے۔ جائز طریقے سے چھٹی لے پھر اس پر جن افراد خانہ کی ذمہ داری ہے جن کی کفالت وحفاظت کا وہ ذمہ دار ہے انگریزی میں جنہیں dependant کہتے ہیں یعنی اُس کے اہل خانہ بیوی بچے بوڑھے ماں باپ یا جن کا مدار اُسی پر ہے جن کی روزی کا ذمہ دار اللہ نے اُسے بنایا ہے ایسی تمام تر ذمہ داریوں کا ان کے کھانے پینے کا اہتمام کرے انہیں چالیس دن کا خرچہ دے اپنی ملازمت سے چالیس دن کی چھٹی لے اور پھر چالیس دن بیٹھ کر اللہ اللہ کرے چالیس دن چلہ تبلیغ میں لگائے تو منع نہیں ہے درست ہے لیکن اپنی ذمہ داریاں چھوڑ کر چلّے لگانا درست نہیں اس کے ذمہ جو واجبات شرعی ہیں وہ ضروری ہیں ذمہ داریاں چھوڑ کر چلّے میں اُسے فائدہ نہیں ہوگا کہ دوسری طرف وہ گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے میری معلومات کے مطابق مجھے غالباً آٹھ دس سال ہو گئے ہیں میں مرکز سے نکلا ہی نہیں ہوں کم از کم آٹھ سال تو ہو گئے ہوں گے میں نے کبھی گنا نہیں حضرتؒ نے فرمایا کہ باہر نہ جاؤ میں نہیں گیا الحمدللہ

اور آٹھ یا دس سال یا نو سال ہو گئے نہ میں نے وقت گنا ہے نہ مجھے آج تک خواہش پیدا ہوئی ہے کہیں جانے کی مجھے یہ بھی feel نہیں ہوا کہ میں باہر کیوں نہیں جاتا. کہہ دیا شیخ نے بات ختم ہو گئی جب کہہ دیں گے کہ جایا کرو چل پڑیں گے بات ختم تو ان سالوں کا مجھے پتہ نہیں لیکن جب میں برطانیہ جایا کرتا تھا وہاں میں نے دیکھا کہ ساتھی سال سال کے لئے تبلیغی چلّے پر چلے جاتے ہیں اور بیوی بچوں کا انتظام نہیں کرتے پھر وہ حکومت سے خیرات لے کر کھاتے ہیں کافروں کی خیرات پر بچے پل رہے ہیں حضرت چلے پر گئے ہیں اس کا تو کوئی شرعی جواز نہیں پھر سال سال بھر بیویوں کو تنہا چھوڑ جانا آخر وہ انسان ہیں ان سے کوئی لغزش ہو جائے کوئی غلطی ہو جائے اس کا ذمہ دار کون ہے؟ پھر ہزار امراض ایسے ہو جاتے ہیں خواتین کو جو میاں بیوی تو discuss کر سکتے ہیں ڈاکٹر کے پاس میاں لے جاتا ہے شاید بھائی اور باپ نہ لے جا سکے وہ صورت حال وہ discuss نہ کر سکے یہاں بھائی باپ نہیں پڑوسی لئے پھرتے ہیں کہ بے چاری بیمار ہے تو یہ طریقے شریعت میں جائز نہیں ہیں ہاں فرمایا یہ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً البقرہ:51 جو موسیٰ کو اللہ نے چلّے کا حکم دیا طور پر۔ تو یہ بنیاد ہے چلّے کی۔ اس قصے کو نقل کر کے اللہ کریم نے منع نہیں فرمایا تو یہ دلیل ہے کہ چلّے لگانا چاہیے لیکن اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے بعد۔

اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتے:

اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ O البقرہ:54

کہ اے میری قوم تم نے اپنا بڑا نقصان کیا اس گئو سالے کو تجویز کر کے اس میں دلیل ہے کہ حق تعالیٰ کی جناب میں حلول محال ہے یعنی انہوں نے اُس بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا تو حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ تم نے شرک کر کے بہت بڑا ظلم کیا ہے قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ O لقمان:13 یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے فرماتے ہیں اس میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتے یعنی بات واضح ہو گئی کہ مخلوق میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں کہا جائے کہ اس میں اللہ نے حلول کیا ہوا ہے۔

گناہوں کے باوجود نعمتوں کا جاری رہنا استدراج اور خطرہ ہے:

قولہ تعالیٰ وَ ظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ O البقرہ:57 فرماتے ہیں ہم نے تم پر ابر کو سایہ فگن کیا اور پہنچایا ہم نے تمہارے پاس ترنجبین اور بٹیریں کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے تھے اس میں دلیل ہے کہ باوجود معاصی کے نعمتوں کا جاری رہنا استدراج اور خطرہ ہے جیسا کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ کی نافرمانی کی جبکہ موسیٰ کے طفیل ان پر نعمتیں جاری تھیں اور کہنے لگے قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ O البقرہ:24

ہم تو یہ بیٹھے ہیں اگر لڑنا ہے تو آپ جا کے لڑیں اور اپنے رب کو ساتھ لے جائیں اور آپ لڑیں اور آپ کا رب ہم تو یہاں بیٹھے ہیں اس پر انہیں یہ سزا دی گئی کہ اللہ نے کہا کہ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ O البقرہ:26 یہ چالیس سال راستہ ڈھونڈتے رہیں گے اور آوارہ گردی کرتے رہیں گے اس وادی کا نام بھی وادی تیہ پڑ گیا جس میں وہ چالیس سال گھومتے رہے سارا دن گھومتے تھے اور صبح اُٹھتے تو خود کو اسی جگہ پاتے یا چلتے رہتے تو گھوم پھر کر وہیں پہنچ جاتے وہاں سے باہر نکلنے کا رستہ نہیں ملتا تھا لیکن اس کے باوجود ان پر من و سلویٰ نازل ہوا بادلوں کو حکم ہو گیا کہ جہاں دھوپ ہو ان پر سایہ کر دو بچے چھوٹے تھے تیس برسوں میں تو ایک نسل بیت جاتی ہے چالیس برسوں میں ایک نسل بیت گئی حضرت موسیٰ کا وصال ہو گیا حضرت ہارون کا وصال ہو گیا

چالیس برسوں بعد حضرت یوشع بن نون اُن پر نبی معبوث ہو چکے تھے اتنا لمبا عرصہ گزر گیا لیکن اُن پر نعمتیں عام ہوتی رہیں بادل سایہ کرتا رہا بچے بڑے ہوتے جاتے تھے تو لباس ساتھ بڑھتا جاتا تھا ورنہ جنگل صحرا میں انھیں کہاں لباس ملنا تھا کپڑے میلے ہو کر پھٹتے نہیں تھے خود بخود ٹھیک ٹھاک ہو جاتے تھے تو یہ نعمتیں ان پر جاری رہیں فرماتے ہیں کہ بندے کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اگر وہ گناہ بھی کرتا ہے اور اس پر نعمتیں بھی جاری رہتی ہیں وہ گناہ بھی کرتا ہے اور اللہ اُس کو حکمران بھی بنا دیتا ہے گناہ بھی کرتا ہے اور اللہ اُس کو دولت بھی دے دیتا ہے وہ گناہ بھی کرتا ہے اور اسے دنیاوی سہولتیں بھی میسر ہیں تو پھر یہ استدارج ہے اور اس میں بڑا خطرہ ہے ایسے لوگوں کا انجام بہت بُرا ہوگا اس پر خوش نہیں ہونا چاہیے کہ میں اللہ کی اطاعت نہیں کرتا تو بھی میرے پاس حکومت ہے فرمایا کہ جس دن وہ پوچھے گا اُس دن سمجھ آئے گی جب وہ کہے گا کہ میں تجھے نعمتیں دیتا رہا اور تو نافرمانی کرتا رہا۔ بتا آج تیرے ساتھ کیا کیا جائے؟

اور فرماتے ہیں جاہل صوفی اس بارے میں دھوکے میں رہتے ہیں جو کثرت مال وجاہ کو مقبولین کی علامت سمجھتے ہیں بے وقوف صوفی یہ سوچتے ہیں کہ ان پاس شرینیاں آ گئیں مال زیادہ آ گیا لوگ ان کی عزت کرتے ہیں تو شاید وہ مقبول بارگاہ ہیں فرمایا یہ مقبولیت کی دلیل نہیں ہے یہ دنیاوی دولت اور نعمتیں بدکاروں کو بھی ملتی رہتی ہیں لیکن وہ ان کے لئے نجات کا سبب نہیں بنیں گی تو کسی صوفی کو اگر دولت مل جائے یا سہولت مل جائے تو یہ نہ سمجھے کہ یہ اس کا کمال ہے بلکہ وہ اپنے کردار کا جائزہ لیتا رہے کہ اس کا کردار حضور ﷺ کے حکم کے مطابق ہے کہ نہیں تو نافرمانی پر اگر نعمت ملے گی تو یہ استدراج ہے استدارج کا معنی ہوتا ہے دھوکہ۔ یہ بڑا دھوکہ ہے کہ خود کو دھوکے میں مبتلا کر دے جب آنکھ بند ہوگی تو آنکھ کھلے گی تو یہ پتہ چلے گا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔

جو اللہ کے دیئے پر راضی نہیں رہتا ہے اس کے حال سے عبرت پکڑنی چاہیے:

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۗ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ أَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ۗ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُمْ مَّا سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۗ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ البقرہ:61

بنی اسرائیل حضرت موسیٰؑ سے کہنے لگے کہ صبح وشام حلوے، بٹیر کھا کھا کر ہم تنگ آ گئے ہیں ایک ہی طرح کھانا کھانے سے ہم تنگ آ چکے حالانکہ ان کا میٹھا بھی آسمانوں سے نازل ہوتا تھا بھنے ہوئے بٹیر انھیں اللہ کی طرف سے ملتے تھے لیکن وہ کہنے لگے صبح بھی شام بھی دوپہر بھی یہی کھانا ہوتا ہے ہم تو تنگ آ گئے ہیں ہمارے لئے دعا کرو کہ ہم بھی زمین سے اُگا کر چیزیں کھائیں، دالیں کھائیں، پیاز کھائیں لہسن وغیرہ ہو غلہ اور کھیتیاں ہم اُگائیں اس پر محنت کر کے کھائیں تو فرمایا اس کا نتیجہ یہ ہوا: وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۗ ۝ البقرہ: 61 اللہ نے ان پر ذلت ومسکنت مسلط کر دی اور انھیں اللہ کے غضب کا سامنا کرنا پڑا تو اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ عارف باللہ کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان لوگوں کے حال سے عبرت پکڑے جو قضا پر راضی نہیں ہیں یعنی جو چیزیں من جانب اللہ ملتی ہیں ان پر جو راضی نہیں رہتا اس کے حال سے عبرت پکڑنی چاہیے کتنی عجیب بات ہے کہ تم نے جرم کیا نبی کی نافرمانی کی اس کے باوجود اللہ نے تم پر بادل کو سایہ کرنے کے لئے بھیج دیا بے شمار نعمتیں دیں پکے پکائے کھانے آسمان

ہے بھیج دیئے اس پر تم خوش نہیں ہوتے کہتے ہو ہمیں کھیتی باڑی کرنے کا طریقہ بتاؤ تاکہ زمین سے چیزیں اُگائیں اور چٹنیاں کوٹ کر کھائیں تو فرمایا اللہ نے ان پر مسکینی بھی مسلط کر دی ذلت کا عذاب بھی مسلط کر دیا اور اللہ کے غضب کا شکار ہو گئے یعنی جو اللہ کی قضا پر راضی نہیں رہتا پھر اسے غضب الٰہی اور ذلت و مسکینی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان کو سب سے بڑی سزا یہ ملی کہ ان پر ذلت طغیان لگا دی گئی یعنی گناہ کرنے کی عادت ان میں آگئی بغاوت کی عادت آگئی اور ان کے دلوں میں دنیا کی محبت جگا دی گئی یہ بڑی عجیب بات حضرت تھانویؒ نے کی ہے کہ جو لوگ اللہ کے دیئے پر راضی نہیں رہتے انہیں اس کی سزا سے دوچار ہونا پڑتا ہے مثلاً ایک شخص جو کمانے کا مکلف ہے وہ محنت کرتا ہے ملازمت کرتا ہے جو ملتا ہے اس میں روکھی سوکھی پر گزارہ کر کے راضی رہتا ہے اور کوئی دوسرا زیادہ کما لیتا ہے اسے سہولت ملتی ہے اسے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے یعنی اگر فراخی آئے تو بھی اللہ کا شکر ادا کرے تنگی آئے تو صبر کرے اور اللہ کا شکر ادا کرے لیکن اگر ایسا نہ کرے تو پھر دو عذاب آتے ہیں ایک تو گناہ کی، بغاوت کی، طغیان کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے دوسرے بھوک مٹتی ہی نہیں اللہ ایسا عذاب لگا دیتا ہے کہ اربوں روپے جمع ہو جائیں تو کہتا ہے ان کو کھربوں کیسے بناؤں کھربوں ہو جائیں تو کہتا ہے ان کو اور کیسے بڑھاؤں اسی طرح مرتا ہی رہتا ہے آپ دیکھ رہے ہیں جو لوگ ملک کو لوٹ رہے ہیں ان سے دولت گنی نہیں جاتی لیکن پھر بھی لوٹ رہے ہیں بھوک ہے کہ مٹتی ہی نہیں یہ عذاب الٰہی ہے حکمرانوں کی عیاشیوں نے ملک کو اس حالت میں پہنچا دیا ہے کہ جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ کم از کم بیس تیس ہزار کا مقروض پیدا ہوتا ہے اتنا قرضہ ہے پوری قوم پر یہی چار پانچ افراد اگر اپنی دولت جو ملک کے باہر ہے ملک کے اندر لے آئیں اور ملک کے خزانے میں آجائے تو سارے قرضے اُتار کر ملک کے پاس پیسہ بچ جاتا ہے یعنی ملک کے چار پانچ آٹھ دس افراد کے پاس اتنی دولت ہے لیکن انہیں دیکھو وہ صبح شام لگے ہوئے ہیں کہیں سستی روٹی میں لوٹ رہے ہیں کوئی بے نظیر پروگرام میں لوٹ رہا ہے کوئی کس طرح لوٹ رہا ہے کوئی کسی طرح لوٹ رہا ہے کوئی ان سے پوچھے اتنی دولت تم گن نہیں سکتے تمہاری نسلیں نہیں گن سکتیں اتنی ہے کہ صدیوں ختم نہیں ہوگی پھر کیوں لوٹ رہے ہو اسی روش کے بارے فرمایا کہ یہی عذاب الٰہی ہے جو گناہ کی رغبت پیدا کر دیتا ہے اور بندہ چوری ڈاکے سے باز نہیں آتا اور دولت کی ہوس پوری نہیں ہوتی لہٰذا اللہ کے دیئے پر شاکر رہنا چاہیے

فرمایا۔ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ ھُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ ؕO البقرہ:61

فرمایا اس میں یہ بات ہے کہ اس میں متوکل کا کسب کی تلاش کرنا اور صاحب کسب کا بلاضرورت ترک سبب کرنا حق تعالیٰ کی ناخوشی کا سبب ہے لوگ دو طرح کے ہیں گنتی کے لوگ ہیں جو متوکل ہیں متوکل کا یہ معنی نہیں کہ وہ نکمے بیٹھے ہیں جو ان کے بس میں ہے تھوڑا بہت جو ان سے ہو سکتا ہے وہ کرتے ہیں لیکن ان کی ضرورتیں اللہ پوری کرتا ہے ان کے کسب سے پوری نہیں ہوتیں ان کے اخراجات دیکھو تو کروڑوں میں ہوتے ہیں اور ان کی آمدن دیکھو تو سینکڑوں میں ہوتی ہے لیکن پورے ہو رہے ہوتے ہیں وہ متوکل الی اللہ ہیں انہیں فکر نہیں ہے کہاں سے آئے گا اللہ بھیج دیتا ہے پورا ہو جاتا ہے ایسے لوگوں کا توکل کو چھوڑ کر کاروبار کے پیچھے بھاگنا درست نہیں ہے وہ اپنے مقام پر رہیں ایسا کروڑوں میں کوئی ایک ہوتا ہے اربوں میں شاید ایک ہو بہت کم ہوتے ہیں دوسرے جو لوگ ہیں ان کا کسب پر مدار ہے محنت پر مشقت پر جتنا کام کرتے ہیں اتنا کماتے ہیں توکل والے کو توکل ترک کرنا اللہ کی ناخوشی کا سبب ہے اور کسب والے کو کسب چھوڑ دینا اللہ کی ناخوشی کا سبب ہے جسے یہ مرتبہ حاصل ہے وہ اُسے چھوڑ کر ادھر بھاگنا نہ شروع کر دے اور جسے یہ مقام نصیب نہیں کسب پر اس کا مدار ہے وہ کسب نہ چھوڑے کہ میں توکل کر رہا ہوں یہ توکل قبول نہیں۔ حکم یہ ہے کہ تمہیں جس کام پر لگایا ہے وہ کرو تمہارا جو کام ہے وہ کرو یعنی متوکل کا کسب کی تلاش کرنا اور صاحب کسب کا بلاضرورت ترک کسب کرنا حق تعالیٰ کی ناخوشی کا سبب ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

فیض الرحمٰن اسلام آباد

نفس اور شیطان کے مکر و فریب

جب ہم کہتے ہیں کہ آج میرا دل حلوہ کھانے کو چاہتا ہے یا میں پتنگ منانا چاہتا ہوں تو یہ خواہشات دل میں پیدا نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان کا منبع نفس ہے۔ سید علی بن عثمان ہجویری نے کشف المحجوب میں نفس کے بارے میں کچھ بزرگوں کے اقوال نقل کئے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ نفس ایسی چیز ہے جس کی تسکین فقط باطل سے ہوتی ہے۔ یعنی وہ کبھی راہ حق پر نہیں چلتا۔ حضرت محمد علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تو چاہتا ہے کہ خدا کو پہچانے حالانکہ تیرا نفس تیرے اندر باقی ہے۔ تیرا نفس اپنے آپ کو نہیں پہچانتا۔ تو وہ غیر کو کیونکر پہچانے گا؟ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تیرا اپنے نفس کی مراد پر قائم ہونا ہی کفر کی بنیاد ہے۔ کیونکہ نفس کو اسلام سے کوئی رغبت نہیں۔ حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں' کہ نفس امانت میں خیانت کرنے والا اور اللہ کی رضا جوئی سے روکنے والا ہے۔ سب سے اچھا عمل اس کی مخالفت ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:49) ترجمہ' جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو قرب و ثواب یعنی جنت کے راستے ضرور دکھا دیں گے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد پاک ہے مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کے لئے اپنے نفس سے جہاد کیا۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جہاد اکبر کیا ہے؟ تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''سنو وہ مجاہدۂ نفس ہے'' کفار کے خلاف جہاد تو چند روز کے لئے ہوتا ہے جبکہ نفس کے خلاف جہاد تو ہر لحظہ، ہر روز اور پوری زندگی جاری رہتا ہے۔ چونکہ اپنی خواہشات کو کچلنا پڑتا ہے اور اپنی ذات کی نفی کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے بلاشبہ یہ جہاد اکبر ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نفس تمام دشمنوں میں سب سے بڑا اور تباہ کن دشمن ہے اس کا علاج بہت سخت، اس کی بیماری بہت مشکل اور اس کی دوا بہت دشوار ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ اندرونی دشمن ہے۔ ڈاکو جس وقت مکان میں داخل ہو جاتا ہے تو اس سے بچنا دشوار ہو جاتا ہے اور وہ بہت زیادہ نقصان پہنچاتا ہے۔ اس دشمن کا کیسے علاج کیا جائے جو میری پسلیوں کے درمیان موجود ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ نفس محبوب دشمن ہے اور انسان کو اپنے محبوب کے عیب نظر ہی نہیں آیا کرتے۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک جتنے بھی فتنہ و فساد پیدا ہوئے وہ سب نفس کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ سب سے پہلی معصیت ابلیس سے سرزد ہوئی اور اس کا سبب

بھی خواہشات تھیں۔ نفس کے تکبر اور حسد نے اسی ہزار (۸۰,۰۰۰) سال کی عبادات کے بعد اس گناہ کے ارتکاب پر اُکسایا اور اللہ رب العزت کی بارگاہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راندۂ درگاہ ہو گیا۔ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ نفس کو ذلیل اور اس کی خواہشات کو تین چیزیں ختم کر دیتی ہیں۔

ایک تو شہوات سے باز رہنا اور ان کا ارتکاب نہ کرنا۔ اس لئے کہ طاقتور جانور کا جس وقت چارہ کم کر دیا جاتا ہے تو اس میں نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔

دوسرے عبادات اور مجاہدے کے بوجھ کو اس پر لاد دینا اس لئے کہ جانور کے کمزور ہونے کے باوجود جب اس کی طاقت سے زائد بار برداری کا کام لیا جاتا ہے تو وہ فرمانبردار ہو جاتا ہے۔

تیسرے اللہ تعالیٰ سے آہ وزاری کرنا اور اس سے مدد مانگنا۔ کیونکہ انسان بہت کمزور اور گناہگار ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نفس اور شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچنا مشکل ہے۔

نفس اور روح میں فرق:

دلائل السلوک میں لکھا ہے کہ روح اور نفس شئے واحد ہے تغائر بوجہ اوصاف کے ہے۔ باعتبار اولیت کے تو روح ہے۔ جب فرشتہ ماں کے پیٹ میں پھونکتا ہے تو روح ہے جب پیدا ہوتا ہے اور کسب اخلاق وا وصاف حمیدہ یا ذمیمہ کرتا ہے اور بدن سے عشق ومحبت پیدا کر لیتا ہے اور مصالح بدن میں مشغول ہو جاتا ہے تو اس پر لفظ نفس بولا جاتا ہے قبل از اکتساب اوصاف روح پر لفظ نفس کا بولنا ٹھیک نہیں۔ جب یہ اوصاف سے متصف ہو جاتا ہے تو اس میں صفت غفلت اور شہوت پیدا ہو جاتی ہے تو اس پر لفظ نفس کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ نفس کا فعل بھی غفلت اور شہوت ہے۔ نفس کی صفت غفلت اور شہوت کو مجاہدہ اور ریاضت سے کم کیا جا سکتا ہے ان رذائل کو قلت طعام، قلت کلام، تخلیہ اور تقویٰ سے کم کیا جا سکتا ہے۔

نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس مطمئنہ

نفس اگر اکثر شر کی خواہش کرے اور نادم بھی نہ ہو تو امارہ کہلاتا ہے یعنی برائی کا بہت زیادہ حکم کرنے والا اور کبھی کبھی اس میں خیر کی خواہش کا پیدا ہو جانا اس مفہوم کے منافی نہیں۔ اور اگر نادم بھی ہونے لگے تو لوامہ کہلاتا ہے۔ اور اگر اکثر خیر کی خواہش کرے اس وقت مطمئنہ کہلاتا ہے بمعنی ساکن الخیر یعنی نیکی پر ٹھہرنے والا۔ گو کبھی اس میں شر کی بھی خواہش پیدا ہو جائے۔

نفس مکار شیطان سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ ابلیس کو بھی اس کے نفس نے گمراہ کیا تھا اس لئے نفس شیطان کا بھی باپ ہوا۔ ابلیس کو ہم اپنا دشمن سمجھتے ہیں لیکن نفس ہمارے جسم کا حصہ ہے اور ہم اس کی خواہشات پوری کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں اس لئے شیطان نفس کے راستے ہمارے اوپر آسانی سے غلبہ حاصل کر لیتا ہے۔

نفس کے بارے میں بعض بزرگوں کے عجیب و غریب مشاہدات:

کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ بوعلی مروزی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نفس کو دیکھا۔ اس کی صورت میری صورت جیسی تھی ایک شخص نے اسے بالوں سے پکڑ رکھا تھا پھر میرے حوالے کر دیا میں نے اسے

ایک درخت سے باندھ کر مار ڈالنے کا ارادہ کیا اس نے مجھے کہا۔ اے بوعلی زحمت نہ اٹھا۔ کیونکہ میں اللہ کا پیدا کیا ہوا لشکر ہوں تو مجھے ختم نہیں کرسکتا۔

حضرت محمد علیان نسوی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ اصحاب میں سے تھے۔ ان کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں شروع ہی سے نفس کی خرابیوں کے بارے میں آگاہ تھا اور اس کی گھاتوں کو خوب جانتے ہوئے ہمیشہ دل میں اس کے خلاف کینہ رکھتا تھا ایک دن میرے حلق سے لومڑی کے بچے جیسی کوئی شے باہر نکلی حق تعالیٰ نے اس کے بارے میں آگاہ کر دیا اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ نفس امارہ ہے۔ میں اس پر پاؤں رکھ کر روندنے لگا جوں جوں میں لاتیں چلاتا وہ اور بھی بڑا ہوتا جاتا میں نے اس سے پوچھا تمام چیزیں دکھ اور چوٹ سے مر جاتی ہیں تو کیوں بڑا ہوتا جاتا ہے اس نے جواب دیا میری پیدائش ہی الٹی ہے جس چیز سے تمام چیزوں کو دکھ ہوتا ہے وہ میرے لئے سکھ کا باعث ہوتی ہیں اور جس چیز سے اور چیزوں کو خوشی ہو اس سے مجھے رنج ہوتا ہے۔

حضرت شیخ ابوالعباد شقانی رحمۃ اللہ علیہ (جو اپنے زمانے کے امام تھے) نے فرمایا۔ کہ ایک دن میں گھر میں داخل ہوا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک زرد کتا میری جائے خواب پر سویا ہوا ہے میں سمجھا کہ محلے کا کوئی کتا اندر چلا آیا ہے میں نے اس کو بھگانے کا قصد کیا تو وہ میرے دامن کے نیچے آ کر غائب ہوگیا۔

شیخ ابوالقاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ جو اس زمانے کے قطب اور مدار علیہ ہیں (خدا انہیں تادیر زندہ رکھے) انہوں نے اپنے ابتدائی حالات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا میں نے اپنا نفس ایک سانپ کی شکل میں دیکھا۔

ایک درویش نے کہا میں نے نفس کو ایک چوہے کی صورت میں دیکھا اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں غافلوں کی ہلاکت ہوں کہ انہیں شر و فساد کی دعوت دیتا ہوں اور خدا کے دوستوں کی نجات کا باعث ہوں اگرچہ میرا وجود خرابی کا سبب ہے تاہم اگر میں ان کے ساتھ نہ ہوتا تو انہیں اپنی پاکیزگی پر غرور اور اپنے افعال پر تکبر ہوتا۔

خاطرِ حق، الہام، ہواجس اور وسوسہ:

قلب پر جو کچھ وارد ہوتا ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے طرف سے ہے تو اس کو خاطر حق کہتے ہیں اگر وہ ملہم یا فرشتہ کی طرف سے ہے تو الہام کہلاتا ہے جو واردات نفس کی طرف سے ہو اس کو ہواجس کہتے ہیں جو شیطان کی طرف سے وارد ہو اس کو وسوسہ کہتے ہیں۔

جب بھی قلب پر کچھ وارد ہو تو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ خاطر خیر ہے یا خاطر شر۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ شریعت کی کسوٹی پر پرکھا جائے اگر شریعت کے موافق ہے تو قابل التفات ہے اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر شریعت کے خلاف ہے تو خاطر شر ہے اور اسے نظر انداز کر دینا چاہیے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ خاطر حق اور الہام کو پہچاننے کے دو طریقے ہیں۔ اگر یہ خطرہ قوی اور پختہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اگر اس میں کسی قسم کا شک و شبہ ہو تو یہ فرشتے کی طرف سے ہے۔ خاطر حق اور الہام میں

فرق معلوم کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر یہ خواطر اصول اور اعمال باطنی کے بارے میں ظہور پذیر ہوں تو اللہ رب العزت کی جانب سے ہیں اگر ان کا ظہور فروع اور اعمال ظاہرہ کے بارے میں ہے تو اکثر یہ فرشتے کی طرف سے وارد ہوتے ہیں۔

اب ہم ہواجس اور وسوسہ کے درمیان شناخت کرنے کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں۔ اگر ان وساوس کو پختہ طریقہ پر ایک حالت کے مطابق محسوس کرے تو یہ نفس کی طرف سے ہے اگر اس وسوسہ کا احساس تردد اور اضطراب کی شکل میں ہو تو یہ شیطان کی طرف سے ہے۔ بعض بزرگ فرمایا کرتے ہیں کہ ہوائے نفس کی مثال چیتے کی طرح ہے جب وہ مقابلے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو شکست فاش اور تمام ذرائع منقطع ہونے تک پیچھے نہیں ہٹتا۔ شیطان کی مثال بھیڑیے کی طرح ہے ایک طرف سے بھگاؤ گے تو دوسری طرف سے آئے گا اگر یہ وساوس ابتدائی طور پر نمودار ہوئے اور کسی گناہ کے ارتکاب کے بعد واقع نہیں ہوئے تو سمجھ لو کہ ان کا محرک شیطان ہے۔ اکثر وساوس کی یہی حالت ہوتی ہے کیونکہ ان کی ابتدا برائی کی دعوت کے ساتھ ہوتی ہے اگر ان وساوس کو ایسی حالت میں پائے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ان میں کوئی کمی یا کمزوری واقع نہ ہو تو یہ وسوسے نفس کی طرف سے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بعد ان وسوسوں میں کمی پیدا ہو جائے تو یہ وسوسے شیطان کی جانب سے ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ ہر آدمی کے قلب کے ایک حصہ پر فرشتہ متعین ہے اور ایک حصہ پر شیطان گھات لگائے بیٹھا ہے۔ جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے چھپ جاتا ہے جب وہ ذکر نہیں کرتا تو شیطان اپنی سونڈ اس کے قلب میں رکھ دیتا ہے اور اس میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔

نفس امارہ اکثر و بیشتر وسوسہ شر ہی ڈالتا ہے جبکہ شیطان کبھی کبھی وسوسہ خیر بھی ڈالتا ہے اس کا کوئی خاص مقصد ہوتا ہے جو ایک مثال سے واضح ہوگا۔ ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ ایک دن ان کی تہجد کی نماز قضاء ہوگئی۔ جس کا انہیں بہت صدمہ ہوا اور سارا دن بہت افسوس اور آہ وزاری کرتے رہے۔ اگلی رات کو سوئے تو علی الصبح دروازے پر دستک ہوئی انہوں نے دروازہ کھولا اور دستک دینے والے سے آنے کا مقصد پوچھا اس نے کہا میں شیطان ہوں آپ کو جگانے آیا ہوں تاکہ آپ تہجد پڑھ لیں۔ انہوں نے شیطان کی طرف سے نیکی کا کام کرنے پر حیرت کا اظہار کیا شیطان نے جواب دیا کہ جس روز آپ کی تہجد قضا ہوئی آپ سارا دن افسوس کرتے رہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تہجد سے زیادہ ثواب دے دیا میں نے سوچا کہ آپ کو جگا دوں تاکہ آپ تہجد کا ثواب ہی لے لیں۔

وسوسے کے پانچ مراحل:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے وسوسے کے پانچ مراحل تحریر کیے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ہاجس: جب کوئی بات قلب میں ابتداً پیدا ہوئی لیکن اس نے نفس میں کوئی حرکت نہیں کی اس کو ہاجس کہتے ہیں۔

۲۔ خاطر: اگر وہ نفس میں دورہ کرنے لگے یعنی وقوع ابتدائی کے بعد نفس میں اس کی آمد و رفت ہونے لگے مگر اس کے کرنے یا نہ

کرنے کا کوئی منصوبہ نہیں بنایا اس کو خاطر کہتے ہیں۔

۳۔ حدیث النفس: جب نفس کرنے یا نہ کرنے کا منصوبہ بنانے لگا اور اس میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہوئی اس کو حدیث النفس کہا جاتا ہے۔

۴۔ ہم: پھر جب نفس میں فعل یا عدم فعل کا منصوبہ ترجیح فعل کے ساتھ بننے لگا لیکن وہ ترجیح قوی نہیں ہے بلکہ مرجوع ہے جیسے وہم ہوتا ہے اس کو ہم کہتے ہیں۔

۵۔ عزم: پھر جب فعل کا رجحان قوی ہو گیا یہاں تک کہ جازم مصمم بن گیا کہ ترک پر قدرت نہیں رہی۔ اس کو عزم کہتے ہیں۔

پہلے تین درجوں یعنی ہاجس، خاطر اور حدیث النفس پر کوئی گناہ نہیں اگر شر والا وسوسہ ہے۔ اور کوئی ثواب نہیں اگر وسوسہ خیر ہو۔ البتہ آخری دو درجوں یعنی ہم اور عزم میں ثواب اور عذاب ہے۔ واضح رہے غیر اختیاری وسوسے پر کوئی گناہ نہیں۔ اختیاری وسوسہ قابل مواخذہ ہوتا ہے۔

غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ جب شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میں تیرے بندوں کو آگے اور پیچھے سے اور دائیں اور بائیں سے آ کر بہکاؤں گا تو اللہ جل شانہٗ نے اس کو جواب دیا کہ مجھے اپنی عزت اور بزرگی کی قسم میں اپنے بندوں کو اعوذ پڑھنے کا حکم دوں گا اور جب وہ اعوذ پڑھیں گے تو ان کی اس طرح حفاظت کروں گا کہ ان کی دائیں جانب تو اپنی ہدایت کر دوں گا اور بائیں طرف اپنی مہربانی کو اور ان کے پیچھے نگہبانی کو کر دوں گا اور ان کے آگے اپنی نصرت کو اور اس صورت میں اے ملعون ان کو تیرا وسوسہ کوئی ضرر نہیں دے گا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم استعاذہ کے ساتھ گناہوں کے دروازے بند کرو اور بسم اللہ کے ساتھ بزرگی کے دروازے کھولو۔

حضور اقدس ﷺ نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو آدمی کلمۂ توحید پڑھ لیتا ہے وہ میرے قلعہ میں آ جاتا ہے اور اس کو عذاب کا کوئی خوف نہیں رہتا۔ جب کوئی آدمی توحید کا کلمہ پڑھتا ہے اور اوامر و نواہی پر عمل کرتا رہتا ہے تو شیطان اس کو چھپ کر دیکھتا ہے اور جب اس کو اس لباس میں آراستہ دیکھتا ہے تو پھر اس سے دور رہتا ہے اور وہ آدمی اس کے فتنہ و فساد سے بچ جاتا ہے۔

شیطان کے احوال:

حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ شیطان ہلاک ہووے۔ میں نے اس سے کہا کہ ایسے نہ کہا کرو۔ اس طرح کہنے سے شیطان یہ خیال کرتا ہے کہ وہ بڑا بزرگ ہے اور پھر کہتا ہے کہ میں اس آدمی پر غالب آ گیا ہوں۔ تم بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا کرو یہ پڑھنے سے شیطان دب جاتا ہے اور دب کر ایسے ہو جاتا ہے جیسے چھوٹی سی چیونٹی ہوتی ہے۔

ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے اور جس جنگل میں عمرؓ پہنچتے ہیں شیطان وہاں سے بھاگ کر دوسرے جنگل میں چلا جاتا ہے نیز جب شیطان عمرؓ کو دیکھتا تھا تو دیوانہ ہو جاتا تھا ایک بار آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب شیطان کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں آدمی میری دشمنی میں خوب مضبوط ہے اور ڈٹ کر میری مخالفت کرتا ہے تو وہ ناامید ہو کر الگ ہو جاتا ہے لیکن

چوری چھپے تاک جھانک کرتا رہتا ہے کہ جب یہ غافل ہوگا تو اس پر حملہ کروں گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شیطان انسان کے قلب پر نظر جمائے گھات میں بیٹھا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرے وہ دور ہٹ جاتا ہے اور جب یادالٰہی سے غافل ہو شیطان آگے بڑھ کر اس کے قلب میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔

حضرت عثمان بن عاصؓ نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ شیطان میری نماز اور قرأت میں آکر داخل ہو جاتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: اس شیطان کا نام خِنزب ہے۔ جب تم اس کو دیکھا کرو تو اللہ سے پناہ مانگا کرو اور تین دفعہ اپنے بائیں جانب تھوک دیا کرو۔ عثمان بن عاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق عمل کیا تو وہ شیطان میرے پاس سے بھاگ گیا۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک جن لگا رہتا ہے صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ کیا آپ ﷺ کے ساتھ بھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی ہے مگر اللہ نے اس کو میرے تابع کر دیا ہے اور وہ مسلمان ہو گیا ہے اور مجھے نیکی کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ بڑا شیطان مختلف قسم کے شیطان مختلف لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جس طرح ایک عام ڈاکٹر ہوتا ہے اور ایک سپیشلسٹ ہوتا ہے جو بیماری اور اس کے علاج کا زیادہ ماہر ہوتا ہے اسی طرح یہ شیطان ایک مدت تک ایک قسم کے لوگوں پر ڈیوٹی دیتے رہنے سے اپنے اپنے کام کے سپیشلسٹ بن جاتے ہیں لوگوں کی عادات وخصائل اور نفسیات کو بہتر طور پر سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ اس طرح اپنی ڈیوٹی زیادہ منظم اور بہتر طور پر ادا کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ بڑا شیطان اپنے نیچے والوں کا محاسبہ بھی کرتا رہتا ہے جس کی کارکردگی اچھی ہوتی ہے اس کو شاباش دیتا ہے اور اس کی ترقی کر دی جاتی ہے جس کا کام تسلی بخش نہ ہو اس کی سرزنش کی جاتی ہے اور اس کو اپنی کارکردگی بہتر بنانے کے لئے مشورے بھی دیئے جاتے ہیں۔

احادیث کے مطابق شیاطین کے ایک گروہ کا نام مُدحش ہے اس کی تقرری عالموں پر ہے جن کو یہ ہوا وہوس کی ترغیب دیتا رہتا ہے اور ان کو مختلف قسم کی خواہشوں میں مبتلا رکھتا ہے دوسرے شیطان کا نام حدیث ہے اس کی تقرری نمازیوں پر ہے یہ ان کو نماز بھلاتا ہے اور نماز کے دوران جمائی اور اونگھ لاتا ہے تیسرے شطونگڑے کا نام زلنبون ہے اس کی ڈیوٹی بازاروں میں ہے یہ لوگوں کو کم تولنے اور جھوٹ بولنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے چوتھے شیطان کا نام کابتر ہے۔ یہ لوگوں کو اس بات پر آمادہ کرتا رہتا ہے کہ جب کسی مصیبت میں گرفتار ہوں تو اپنے گریبان پھاڑا کریں، منہ نوچا کریں تاکہ مصیبت پر صبر کرنے سے جو ثواب ملنا ہے وہ ضائع ہو جائے پانچویں شیطان کا نام منشوط ہے یہ لوگوں کو جھوٹ بولنے، چغلی کھانے و رطعن و تشنیع کرنے کی تعلیم دیتا رہتا ہے چھٹے شیطان کا نام واسم ہے وہ مردوں اور عورتوں کو زنا کرنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے ساتویں شیطان کا نام اعور ہے وہ لوگوں کو چوری کرنا سکھاتا ہے اور ان کو سمجھاتا ہے کہ اگر تم چوری کرو گے تو تمہارے فاقے دور ہو جائیں گے اور قرض بھی ادا کر سکو گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

درج بالا سات گروہوں کے علاوہ بھی شیطان ہوتے ہیں جو ڈیوٹی دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وضو پر بھی ایک شیطان مقرر ہے اس کو ولہان کہتے ہیں ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو مل کر کھڑے ہونا چاہیے صفوں کے درمیان خالی جگہ نہیں چھوڑنا چاہیے اگر جگہ خالی رہے تو اس میں شیطان بکری کے بچوں کی مانند گھس جاتے ہیں۔

شیطان کے مکروفریب:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف منہاج العابدین میں شیاطین کے مکروفریب پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ یہ کون کون سے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں تاکہ انسانوں کو اللہ کی عبادت سے روکا جاسکے۔ اگر پہلا حملہ ناکام ہو جائے تو پھر دوسرا حملہ کون سا ہوتا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے شیطان انسان کو عبادت الٰہی سے روکتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو تو انسان اس حملے سے بچ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے عبادت کی سخت حاجت ہے کیونکہ آخرت کے لئے زادِ راہ تیار کرنا ہے دوسرے حملے میں شیطان عبادت میں تاخیر اور سستی کرنے کا حکم دیتا ہے اگر اللہ کی مدد شامل حال رہی تو انسان دوسرے حملے کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیتا ہے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اس لئے میں آج کا کام کل پر نہیں چھوڑ سکتا۔ دو حملے ناکام ہونے کے بعد تیسرے حملے میں شیطان جلدی کرنے کا تقاضا کرتا ہے تاکہ اطمینان اور سکون سے عبادت کرنے کی بجائے جلدی جلدی ٹانک ٹوئیاں مار کر عبادت کا ثواب ضائع کر لے۔ اگر اللہ کا فضل شامل حال ہو تو بندہ کہتا ہے کہ میں تھوڑی عبادت کرلوں گا لیکن جلدی جلدی کر کے ثواب ضائع نہیں کروں گا۔ تیسرا حملہ ناکام ہونے کے بعد شیطان ریاء اختیار کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا تو بندہ یہ کہتا ہے کہ میں نے انسانوں کو دکھا کر کیا کرنا ہے کیونکہ مجھے ثواب تو اللہ تعالیٰ سے لینا ہے اگر اللہ تعالیٰ راضی ہو گئے تو مجھے بندوں سے کچھ نہیں لینا۔ چوتھے حملے کی ناکامی کے بعد شیطان خود پسندی میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے اگر اللہ کا فضل شامل رہا تو بندہ یہ کہہ کر رد کر دیتا ہے کہ میری اس میں کوئی خوبی نہیں۔ یہ سب کام کرنے کی توفیق اللہ نے دی ہے۔ پانچویں حملے کی ناکامی کے بعد شیطان چھٹا طریقہ اختیار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان اعمال کے کرنے کی تجھے کیا حاجت اور ضرورت ہے اس لئے کہ اگر تجھے سعید پیدا کیا گیا ہے تو اعمال کو ترک کرنا مضر نہیں اور اگر اللہ نے تجھے بدبخت بنایا ہے تو پھر اعمال کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اگر اللہ کا فضل شامل حال رہا تو وہ بندہ اس کی دلیل کو رد کر دے گا۔ اور کہے گا میں نیک بخت ہوں یا بدبخت ہوں اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری ہی میرے لئے فائدہ مند ہے۔

حرفِ آخر:

بندہ بہت کمزور ہے اس لئے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اس کی مدد اور توفیق کی درخواست کرتے رہنا چاہیے۔ اس کا فضل شامل حال ہوگا تو تبھی ہم شیطان کے حملوں سے بچ سکتے ہیں بڑے بڑے بزرگ بھی بعض اوقات غلطی کر کے اپنا نقصان کر بیٹھتے ہیں اس سلسلے میں دو واقعات درج کئے جاتے ہیں۔

ایک بڑے اور مشہور بزرگ ابو عبداللہ اندلسیؒ مریدوں کے ساتھ پیدل سفر کے لئے جا رہے تھے۔ اکابر مشائخ حضرت جنید بغدادیؒ اور شبلیؒ بھی ہمرکاب تھے دوران سفر ایک گاؤں کے کنوئیں سے پانی لینے کے لئے رُکے وہاں ایک عیسائی لڑکی کو دیکھا تو اس پر عاشق ہو گئے اور کہا کہ میں اس سے شادی کروں گا۔ خدام نے عرض کی کہ آپ کے مریدین کی تعداد بارہ ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے۔ بطفیل قرآن آپ ہمیں اور ان کو رسوا نہ کیجئے۔ شیخ نے فرمایا تقدیر خداوندی ہو چکی ہے۔ مجھ سے ولایت کا لباس سلب کر لیا گیا ہے اب کام میرے بس کا نہیں۔ یہ کہہ کر رونا شروع کر دیا۔ خدام مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔ جب دوسرے مریدین کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے بھی رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنا شروع کر دیں۔

مرید کے جانے کے بعد شیخ نے لڑکی کے باپ سے بات کی تو اس نے بڑی سخت شرائط پیش کیں۔ ایک شرط یہ بھی تھی کہ میرے سور کے ریوڑ کو اتنے سال تک چرانا ہوگا۔ سال بعد مریدین اپنے شیخ کا پتہ کرنے کے لئے آئے تو دیکھا کہ وہ جنگل میں خنزیروں کے ریوڑ کو چرا رہے تھے۔ اور جس عصا کو ہاتھ میں لے کر خطبہ دیا کرتے تھے اس سے ریوڑ کو ہانک رہے تھے۔ اس چیز نے ان کے زخموں پر نمک پاشی کی۔ وہ پھر گریہ وزاری میں لگ گئے اور اللہ تعالیٰ کو رحم آگیا مریدوں کی دعاؤں کی برکت سے شیخ کی حالت بدل گئی واپسی پر اپنے شیخ کو بھی ساتھ لیا اور روانہ ہو گئے۔

دوسرا واقعہ فروری 2003ء کے المرشد میں چھپا تھا۔ شیخ المکرم نے فرمایا کہ حضرت مولانا اللہ یار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تحقیق کی تھی چونکہ آپ مناظر تھے۔ اس لئے آپ مسائل کی جزیات کی تحقیق فرماتے رہتے تھے کہ مناظرہ میں کام آتی ہیں ایک مسئلہ تھا جس پر متقدمین میں سے کسی بہت بڑے عالم نے اپنی رائے لکھی تھی تو حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کو خیال ہوا کہ کیوں نہ برزخ میں جا کر اس سے تحقیق کر لی جائے کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ کتابیں بدل جاتی ہیں بعض لوگ الفاظ بدل دیتے ہیں۔ محفل میں قاضی صاحب اور دیگر صاحب کشف لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میرے پاس بیٹھ کر مراقبہ کر کے اس عالم کی خدمت میں حاضری دو۔ قاضی صاحب نے مراقبہ کیا۔ تو وہ حیران ہو گئے اور کہنے لگے کہ ان سے تو بات نہیں ہو سکتی اس قبر میں جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہیں اُسے عذاب ہو رہا ہے ان سے بات نہیں ہو سکتی۔ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ بھی بڑے حیران ہوئے فرمانے لگے یہ تو صوفی تھا اور صاحب حال بھی تھا۔ اس کے مشاہدات بڑے مشہور ہیں۔ اس نے تو بے شمار چیزیں اپنی کتابوں میں ایسی لکھ دی تھیں جو صدیوں بعد ظہور پذیر ہوئیں۔ اس کی نگاہ بہت وسیع تھی۔ حضرت نے فرمایا ذکر کرتے ہیں اور اس پر القا کرتے ہیں پھر فرمایا اسے تھوڑا سا افاقہ تو ہوا ہے اس کی شکل بدلنا شروع ہو گئی ہے۔ پھر فرمایا اس کی شکل انسانی ہو گئی ہے اللہ کا عذاب ٹل گیا ہے پھر آپ نے بارگاہ نبوی ﷺ میں عرض کی آپ ﷺ نے اس طرف توجہ فرمائی تو وہ زنجیریں کٹنے لگیں تو وجود بدل کر انسانی شکل میں آنے لگا اور سیاہی چھٹنے لگی۔ جب ان کی صورت درست ہو گئی تو حضرت نے فرمایا کہ اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیا بیتی تمہارے منازل تو بہت بلند تھے اور بہت تیز مشاہدات تھے اور تم تو آئندہ آنے والے بے شمار واقعات بھی کتابوں میں لکھ گئے تھے انہوں نے عرض کی کہ مجھے اسی چیز نے مروا دیا۔ مجھے ایک اعتماد ہو گیا تھا اپنے مشاہدات پر کہ میں آئندہ کی چیزیں دیکھ لیتا ہوں اور صحیح دیکھتا ہوں۔

جب نزع کا وقت آیا تو میرے سامنے ایک راستہ کشادہ سڑک کی طرح کھل گیا جس پر مجھے جانا تھا فوراً ہی اس کے ساتھ دوسرا راستہ بن گیا جو مجھے بڑا خوبصورت لگا۔ تو میں نے ذرا سا توقف کیا پھر میں نے سوچا میرے مشاہدات تو بہت مضبوط ہیں یہ راستہ زیادہ خوبصورت ہے یہ کسی اونچی منزل کو جاتا ہوگا میں نے قدم اٹھایا کہ اس راستے پر رکھتا ہوں تو مجھے احساس ہوگیا کہ نہیں یہ غلط ہے میں نے اٹھایا ہوا قدم واپس لے لیا۔ اس پر میرے سارے مشاہدات، مراقبات اور اعمال سلب ہوگئے اور اللہ کریم نے فرمایا اگر تو اٹھایا ہوا قدم اس راستے پر رکھ دیتا تو میں تیرا ایمان بھی سلب کر لیتا۔ اس طرح میں سب کچھ ہار کر عذاب کی گرفت میں چلا گیا۔ حضرت نے فرمایا اسے مراقبات کرائے جائیں احدیت، معیت، اقربیت اس نے کہا حضرت مجھے تو صدیاں بیت گئیں مار کھاتے کھاتے ہڈیاں چورا بن جاتی تھیں پھر سلامت ہوتی تھیں مجھ میں تو ہلنے کی سکت نہیں ہے نہ اٹھنے کی۔ پکڑ کر کھڑا کیا گیا اٹھا کر مراقبات تک لے جایا گیا پھر سیر کعبہ پھر فنافی الرسول ﷺ، بارگاہ نبوی سے اسے ایک جوڑا کپڑوں کا انعام کے طور پر عطا ہوا۔ اور ایک جوڑا مزید عطا فرمایا حضرت جی کے لئے۔ ان کے حصے کا ابھی رکھ دو جب آئیں گے تو پہنیں گے جب ان صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ کو آگے بھی مراقبات کرائے جائیں تو وہ کہنے لگے میری توبہ میرے لئے یہی بہت ہے میں اس سے آگے کا سوچنا بھی گناہ سمجھتا ہوں جو ہوگیا سو ہوگیا اللہ مجھے معاف کرے میرے لئے یہ انتہائی مقام ہے کہ میں بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر رہوں مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہیے۔

برائے دُعا فوت شدگان

۱۔ گوجرہ سے حبیب خان خادم دارالعرفان کے والد محمد زمان خان وفات پا گئے ہیں

۲۔ فیصل آباد سے محمد صادق وفات پا گئے ہیں۔

۳۔ فیصل آباد سے سپیشل کلاس کے ساتھی صوبیدار عبدالرؤف وفات پا گئے ہیں۔

۴۔ فیصل آباد سے سپیشل کلاس کے ساتھی شہزاد، شیراز بہزاد کی والدہ محترمہ وفات پا گئی ہیں۔

۵۔ فیصل آباد سے چوہدری محمد طاہر زبیر کالونی وفات پا گئے ہیں۔

۶۔ فیصل آباد سے عبدالماجد (صلاح الدین صاحب کے بھتیجے) وفات پا گئے ہیں۔

۷۔ محمد طارق کمالہ ضلع نارووال کے والد عبدالرشید وفات پا گئے ہیں۔

۸۔ سلسلہ کے ساتھی ماسٹر نور احمد (ملتان) وفات پا گئے ہیں۔

۹۔ سلسلہ کے ساتھی ماسٹر نذر حسین (ملتان) کی والدہ ماجدہ وفات پا گئیں۔

۱۰۔ سلسلہ کے ساتھی حاجی اصغر اور حاجی رشید (بوریوالہ) کے والد وفات پا گئے۔

۱۱۔ سلسلہ کے ساتھی پاکستان نیوی ریاست علی (کراچی) کے والد محترم وفات پا گئے۔

۱۲۔ سلسلہ کے ساتھی حافظ منور (بھمبر، آزاد کشمیر) کی اہلیہ محترمہ وفات پا گئیں۔

۱۳۔ سلسلہ کے ساتھی محمد انور (پارک ڈیرا اسمٰعیل خان) وفات پا گئے۔

۱۴۔ راولپنڈی کے معراج دین کے والد وفات پا گئے۔

۱۵۔ دینہ ضلع جہلم کے خادم السلام کے والد وفات پا گئے۔

۱۶۔ اسلام آباد (بارہ کہو) کے افتخار احمد کی والدہ ماجدہ وفات پا گئیں۔

۱۷۔ لاہور (ٹاؤن شپ) کے شہزاد عزیز کی والدہ ماجدہ وفات پا گئیں۔

۱۸۔ عبدالحکیم (خانیوال) کے مسعود احمد وفات پا گئے۔

۱۹۔ سمبڑیال (سیالکوٹ) کے غضنفر علی کی والدہ ماجدہ وفات پا گئیں۔

۲۰۔ سمبڑیال (سیالکوٹ) کے محمد آصف قریشی کی والدہ ماجدہ وفات پا گئیں۔

۲۱۔ مرالہ (منڈی بہاؤالدین) کے ساتھی چوہدری منظور حسین کی اہلیہ وفات پا گئیں۔

۲۲۔ لاہور کے ساتھی حفیظ اکرم کی اہلیہ وفات پا گئیں۔

ان سب ساتھیوں کے لئے دعائے مغفرت کی اپیل کی جاتی ہے۔

اکرم التفاسیر

10-09-2010

خلوص سے توبہ کرو ظاہر و باطن کی برائی چھوڑ دو

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ
وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ
الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا
تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ۭ
وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰۗئِهِمْ
لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿١٢١﴾

سورۃ الانعام، رکوع 14، آیات 120 تا 121

اَللّٰهُمَّ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا
عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ
مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

سادہ سا ترجمہ ان آیات مبارکہ کا یہ ہے کہ گناہ خواہ ظاہر کا ہو خواہ باطن کا۔ اسے چھوڑ دو اور جو لوگ برائی اختیار کرتے ہیں وہ جلد اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔ جن چیزوں پر یا جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ مت کھاؤ کہ یہ سخت نافرمانی ہے اور شیاطین اپنے ساتھیوں پر القاء کرتے ہیں۔ باتیں ان کے دل میں ڈالتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ جھگڑا کریں لیکن اگر تم نے ان کی بات مانی تو پھر تم مشرک ہو جاؤ گے۔

ان آیات مبارکہ میں دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ پہلی تو یہ ہے کہ معصوم صرف انبیاء ہوتے ہیں۔ عصمت خاصہ نبوت ہے یعنی بالکل گناہ کا صادر نہ ہونا یہ قوت تخلیقی طور پر انبیاء میں ہوتی ہے۔ غیر نبی سے قصور ہو سکتا ہے غلطی ہو سکتی ہے، کبھی بشری خصوصیات کی وجہ سے کسی لالچ میں آجاتا ہے طمع میں آجاتا ہے، کبھی بھول چوک ہو جاتی ہے تو اللہ جل شانہٗ بہت کریم ہیں۔ بڑا خوبصورت انداز اپنایا۔ فرمایا: اگر غلطی کرتے ہو، اگر گناہ ہو گیا تو اسے چھوڑ دو، اب یہاں کرم کی انتہا دیکھیے کہ گناہ کی کوئی قید نہیں لگائی۔ چھوٹا کیا ہے، بہت بڑا کیا ہے، کم کیے ہیں یا بے حساب کیے ہیں، کوئی قید نہیں۔ ایک ہی قید ہے کہ گناہ کو چھوڑ دو وہ ظاہری ہو یا باطنی، عمل ہو یا قول، برائی کا خیال بھی چھوڑ دو۔ باطن میں برائی کا خیال کرنا، کسی کے ساتھ زیادتی کرنے کا خیال کرنا، کسی برائی کے کرنے کا سوچنا یہ بھی چھوڑ دو۔ مسلمان کھرا ہوتا ہے اندر سے بھی باہر سے بھی۔ بہت سیدھا سادا ہوتا ہے۔ بہت عجیب بات ہے کہ جو لوگ مسلمانوں پر اور اسلام پر تنقید کرتے ہیں وہ بھی ان برائیوں کو برا سمجھتے ہیں جیسے جھوٹ بولنا، چغلی کھانا، کسی کے پیسے ناجائز طریقے سے لے لینا، کسی کی عزت لوٹ لینا، کسی کو قتل کر دینا، چوری کرنا، ڈاکہ کرنا وغیرہ۔ یہ ساری برائیاں ایسی ہیں جنہیں ہر کوئی برا سمجھتا ہے خواہ وہ اسلام کو مانتے یا نہ مانے لیکن اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ آج

کا مسلمان، میرے اور آپ جیسا مسلمان کہتا ہے کہ دین پر چلنا بہت مشکل ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ برائی چھوڑنا بہت مشکل ہے۔ جب برائی برائی ہے تو یہ کہنا کہ اسے چھوڑنا مشکل ہے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ اسلام نے زندگی کی روانی کو کہیں روکا نہیں ہے۔ زندگی کی روانی بھی دریاؤں کی طرح ہوتی ہے اور دریا بہہ رہا ہو تو آپ اسے کب تک روکیں گے؟ آپ اس کے آگے بند بنا دیں، دیوار بنا دیں، آخر دو دن، چار دن، بیس دن، مہینہ بعد وہ اس کے اوپر سے گزر جائے گا۔ انسانی زندگی بھی اسی طرح ہے۔ اسلام نے اسے روکا نہیں ہے۔ اچھا کھانے سے نہیں روکا، اچھا پہننے سے نہیں روکا، شادی کرنے سے منع نہیں فرمایا بیوی بچوں کو پالنے سے منع نہیں فرمایا زندگی کے کسی شعبے میں رکاوٹ نہیں ڈالی۔ ہاں ان کا انداز خوبصورت کر دیا ہے۔ اچھا کھاؤ، اچھا پہنو لیکن حلال کما کر۔ فرمایا محنت کرو، مزدوری کرو، تجارت کرو، کاشتکاری کرو کہ حصول رزق کے معروف ذرائع چار ہیں۔ کاشتکاری، مزدوری، تجارت اور ملازمت، پانچواں کوئی ذریعہ معروف نہیں ہے۔ اس کے بعد سب حرام ہے۔ خواہ جواء ہے، لاٹری ہے یا دھوکہ دہی ہے۔ اسلام میں اللہ کریم نے یہ حکم دیا ہے کہ زمین میری ہے، کائنات میری ہے، تمہارا رب میں ہوں، تمہیں پیدا میں نے کیا ہے، تمہاری ضروریات میں نے پیدا کی ہیں، ان کی تکمیل کے ذرائع میں نے پیدا کیے ہیں، میں تمہارا پروردگار ہوں، خالق ہوں۔ یہ سب میں نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا البقرہ:29۔ روئے زمین پر جو کچھ ہے سب تمہارے لئے ہے۔ بے شمار ایسی چیزیں ہیں جو انسان کی خدمت کر رہی ہیں اور انسان کو پتہ ہی نہیں۔ تو تمہارے ذمے کیا ہے؟ فرمایا تمہارے ذمے یہ ہے کہ اس انداز سے ان چیزوں کو استعمال کرو جو محمد رسول اللہ ﷺ نے سکھایا۔ جس کے کھانے سے روک دیا ہے، رک جاؤ جس کے کھانے کا حکم دیا ہے ضرور کھاؤ کہ اس میں خوبصورتی بھی ہے حسن بھی ہے اور یہ کسی کے لئے باعث تکلیف بھی نہیں۔ جو بندہ روزی حلال کماتا ہے، کسی کا حق نہیں چھینتا، اچھا کھائے، اچھا پہنے تو اس سے اگر کسی کو تکلیف ہوتی ہے تو صرف حاسد کو ہوتی ہے یا اس کو ہوگی جس کے دل میں شیطان بستا ہے۔ واقعتاً وہ کسی کا حق نہیں چھینتا، کسی کو تکلیف نہیں دیتا تو کسی کو تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔

عملی زندگی میں خطا کا ہو جانا ایک بات ہے، خطا پر جم جانا اسے زندگی کی روش بنا لینا یہ بالکل مختلف بات ہے۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ رات بھی ایک ای میل آئی تھی کہ کوئی بچی باہر سے PhD کر کے آئی ہے، کمال ہے مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اسلام اور قرآن وسنت کے بارے PhD کرتے ہیں لوگ یہودیوں سے۔ میں ایک دفعہ کینیڈا میں مانٹریال گیا۔ مانٹریال شہر کے وسط میں مانٹریال یونیورسٹی ہے جو بذات خود ایک شہر ہے۔ بہت بڑی یونیورسٹی ہے۔ ہمارے کچھ ذکر کے ساتھی وہاں ہوتے تھے جو آسٹریلیا' سے کچھ ملائشیا سے بچے بچیاں وہاں زیر تعلیم تھے۔ تو میں ان سے ملنے ان کی دعوت پر گیا تو میں نے ان سے پوچھا کہ اسلامیات کا شعبہ کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا گرجا گھر میں۔ میں نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو وہ مجھے ساتھ لے گئے۔ گرجا گھر کی عمارت بجائے خود بہت سی عمارتوں پر مشتمل تھی۔ کچھ ان کا عبادت خانہ تھا۔ اس کے ساتھ لائبریریاں تھیں۔ بیٹھنے کی جگہیں تھیں اور بے شمار شعبے تھے۔ تو ایک پورشن انہوں نے اسلامیات کو دیا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا یہاں آپ کے پروفیسر یا اساتذہ کتنے ہیں؟ کہنے لگے تیرہ ہیں جو اسلامیات میں PhD کراتے ہیں۔ ان تیرہ میں مسلمان کتنے ہیں؟ دو مرد اور ایک عورت، باقی دس یہودی ہیں اور وہ

جو مسلمان ہیں وہ بھی وہیں کے، اسی معاشرے کے ہو چکے ہیں۔ اسی روش، اسی لباس، اسی غذا، اسی کھانے کے دلدادہ ہیں۔ تو اب وہ لوگ آپ کو دین کیا سکھائیں گے؟ رات مجھے ایک ای میل آئی تھی کہ ایک بچی اسلام میں PhD کر کے باہر سے آئی ہے۔ وہ کہتی ہے میں اللہ کو تو مانتی ہوں لیکن مجھے رسول اللہ ﷺ پر بڑے اعتراض ہیں۔ تو میں نے کہا اور یہودیوں سے کیا پڑھ کر آنا ہے؟ یعنی کتنی عجیب بات ہے کہ آپ کافر سے اسلام سیکھیں اور وہ بھی بدترین کافر جو نزولِ قرآن سے لے کر آج تک اسلام کا دشمن رہا اور جس کی دشمنی پر قرآن نے مہر تصدیق ثبت کی۔ تو حیرت اس بات کی تھی کہ اگر رسول اللہ ﷺ پر اعتراض ہو تو ذات باری کا ثبوت کیا ہے تمہارے پاس؟ جتنی دلیلیں عقلی ہیں، جتنی دلیلیں نقلی ہیں ان میں سب سے بڑی مضبوط دلیل یہ ہے نقلی دلائل میں بھی کہ میرے نبی ﷺ نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ کی ذات ایسی ہے، اس کی صفات ایسی ہیں، خواہ وہ پہلے انبیاءؑ ہوں خواہ بعثت عالی کے بعد کی بات ہو۔ باقی جتنی باتیں ہیں ان پر بحث ہو سکتی ہے۔ منکرین اس پر اُلجھ سکتے ہیں جواب دے سکتے ہیں، اعتراض کر سکتے ہیں لیکن اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جو نہیں مانتے کافر ہیں، نہ مانیں لیکن جسے کلمہ نصیب ہے اس کے لئے یہی دلیل ہے اور کلمہ ہے کیا؟ اپنی سوچ اور ارادے سمیت کردار و عمل کو محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں رکھ دینا، کلمے کا مطلب کیا ہے، کلمے کا مطلب یہی ہے لا الہ الا اللہ، اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جس کی عبادت کی جائے۔ میں باقی سب کا انکار کرتا ہوں۔ اب اللہ کی عبادت کیسے کرو گے، اللہ کو کیسے راضی رکھو گے، کیا کھاؤ گے، کیا نہیں کھاؤ گے، کیا پیو گے، تمہارا کردار کیا ہو گا، تمہارا رویہ کیا ہوگا، تمہارا عقیدہ کیا ہوگا، سوچو گے کیا، بولو گے کیا، کرو گے کیا؟ سادہ سا جواب ہے، محمد رسول اللہ ﷺ۔ میں تو اس قابل نہیں تھا کہ اللہ مجھ سے براہِ راست خطاب کرتا۔ مجھ میں تو یہ اہلیت نہیں تھی کہ میں اللہ کی مخلوق، فرشتے سے بات کرتا۔ مجھ میں تو یہ اہلیت نہیں کہ مجھے جنوں اور شیاطین کا پتہ چلے کہ یہاں کتنے ہیں؟ کہاں ہیں؟ مجھے تو یہ بھی نہیں پتہ چلتا۔ کیونکہ وجود میں ایک قوت ہوتی ہے، بصارت نگاہوں میں ہے، بصیرت دل میں ہے۔ دل کی آنکھ کھلتی ہے تو ان چیزوں تک پہنچتی ہے لیکن اللہ سے براہ راست کلام الٰہی کو لینے کی استعداد اور قابلیت صرف اللہ کے نبیؑ میں ہوتی ہے غیر نبی میں نہیں۔

ابراہیمؑ نے خواب دیکھا کہ بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں۔ اب بیٹا بمشکل انگلی پکڑ کر ساتھ چلتا تھا۔ **فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ** الصفت: 102 قرآن کریم نے عمر کی تعیین یہ بتائی ہے کہ ان کے ساتھ دوڑنے بھاگنے کے قابل ہو گیا۔ پانچ سات سال کا بچہ عموماً ساتھ دوڑتا بھاگتا ہے۔ آپ کی اہلیہ حضرت حاجرہ صحابیہ بھی تھیں اور خلیل اللہ کی محبوبہ بھی تھیں۔ آپ کا بہت بڑا مقام ہے۔ وہ گھبرائیں نہیں، انکار نہیں کیا، شکوہ نہیں کیا کہ ہمیں کس ویرانے میں چھوڑ گئے۔ بلکہ جب ابراہیمؑ انہیں اس ویرانے میں چھوڑ کر پلٹنے لگے تو دو نفوس قدسیہ تھے ایک ماں اور ایک ننھا بچہ تو اس وقت انہوں نے پوچھا کہ اس ویرانے میں تن تنہا ہمیں کیسے چھوڑ دیں گے جنگل میں شاید بھیڑیئے آکر بچے کو کھا جائیں، جنگلی جانور آجائیں، کوئی آبادی نہیں، کوئی پانی نہیں، کوئی کھانا نہیں، کوئی درخت نہیں، کوئی پھل نہیں تو ابراہیمؑ نے جواباً فرمایا مجھے اللہ نے حکم دیا ہے۔ ایک جملہ سننے کے بعد مائی صاحبہ نے فرمایا، پھر ہمیں اللہ کافی ہے پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا آپ تشریف لے جائیں۔ پیاس سے پریشان ہو کر بچے کے لب سوکھے دیکھ کر پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ پر چڑھیں اور جہاں بچہ اوجھل ہو جاتا وہاں دوڑتی چلی

جاتیں۔ اللہ کریم نے ان کی اس بے تابی کو اتنا قبول فرمایا کہ قیامت تک آنے والوں کے لئے صفا و مروہ کی سعی کو حج کا رکن بنا دیا۔ ہر عمل سے کچھ اثرات مرتب ہوتے ہیں، کچھ انوارات آتے ہیں۔ ان کی وہ بے تابی اور اس پر جو رحمت الٰہی کا نزول ہوا۔ اللہ کریم نے فرمایا جو بھی حج کے لئے آئے یہاں دوڑیں لگائے وہ رحمت میں اس پر نازل کروں گا جو اس کے دل کو شفاف کر دے گی۔ حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ نے صفا اور مروہ پر سعی فرمائی۔ آپ ﷺ تو رحمت بانٹنے والے تھے۔ آپ ﷺ کو ضرورت نہیں تھی لیکن حج کا رکن بن گئی تھی، اللہ کو یہ ادا پسند بڑی آئی۔

تو جب آپؑ نے خواب دیکھا تو چاہیے یہ تھا کہ اہلیہ سے اپنی محبوب بیوی سے، اللہ کی محبوب بندی سے بات کر لیتے کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ بچے کو ذبح کر رہا ہوں تمہارا مشورہ کیا ہے۔ نبی کا خواب وحی الٰہی ہوتا ہے اور وحی کو سمجھنا نبی کا کام ہے۔ غیر نبی نہیں سمجھ سکتا کتنا بھی مقبول بارگاہ ہو۔ اس لئے بچے کو ساتھ لیا اور چل دیئے پانچ سات سال کا بچہ ہے منیٰ میں پہنچے تو اس سے بات کی اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ بیٹا مشورہ کرنا ہے بات کرنی ہے تم سے میں نے عجیب و غریب خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے اللہ کی راہ میں ذبح کر رہا ہوں۔ اب اس ننھے سے چھوٹے سے کمسن بچے سے جو جواب ملتا ہے وہ قابل غور ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ز سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ الصفت: 102 ابا آپ اللہ کے رسول اور اس کے خلیل ہیں۔ آپؑ اولوا العزم رسول ہیں۔ آپ کا خواب وحی الٰہی ہے۔ انہوں نے نہیں کہا کہ مجھے وحی ہوئی انہوں نے فرمایا اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ میں نے خواب دیکھا ہے بیٹا کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں انہوں نے جواباً فرمایا ابا آپ کا خواب تو وحی الٰہی ہے۔ وحی الٰہی ہو تو مشورے کی گنجائش نہیں جو حکم وحی الٰہی سے آ گیا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ ابا جان کر گزریئے جو اللہ نے حکم دیا ہے۔ کیونکہ بچہ بھی اولوا العزم رسول تھا۔ وحی کو سمجھنا اللہ کے بندوں کا کام ہے۔ بچہ بھی رسول تھا اس نے کہا کہ ابا میں جانتا ہوں نبی کا خواب وحی ہوتا ہے آپ تو اولوا العزم رسول ہیں آپ کا خواب وحی الٰہی ہے۔ اب آپ اس فکر سے سنا رہے ہیں کہ میں کیا کہتا ہوں مجھے تسلی ہو۔ آپ اللہ کے خلیل ہیں تو میں بھی اللہ کا رسول ہوں۔ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ الصفت: 102 مجھے اللہ کے حکم کے مقابلے میں صبر کرتا ہوا پائیں گے۔ آپ میری گردن کاٹ دیں۔ یہ رویہ اسلام ہے۔ اسلام کیا ہے؟ جو حکم مل گیا وہ کر ڈالنا۔ It is not to question why? It is just to do and die. وہاں سوال کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ کیوں ہے۔ کرو اور کرتے دنیا سے گزر جاؤ۔ تو سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ کے نبی نے بتایا ہے کہ اللہ کی ذات ایسی ہے اور اس کی صفات ایسی ہیں۔ یہ وہ دلیل ہے جس کا جواب نہ ابلیس کے پاس ہے نہ عالم کفر کے پاس ہے۔ اللہ کریم کی تخلیقات کے بارے بھی منکرین یہی کہتے ہیں کہ سورج جو مختلف گیسوں کا مجموعہ ہے وہ از خود تخلیق ہو گیا۔ گیسیں از خود اکٹھی ہو گئیں۔ اسی طرح درختوں کے بارے کہتے ہیں کہ صدیوں سے درخت اگ رہے ہیں اور یہ تخلیق کا عمل جاری ہے یہ کسی ایک ہستی کے کرنے کا کام نہیں۔ یہی تو کافر کہتے تھے بھلا اتنا نظام ایک ہستی سے چل سکتا ہے۔ تو سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا اللہ ایک ہے۔ جس طرح ذات باری کے بارے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد دلیل ہے اسی طرح زندگی کے پورے عمل کے بارے حضور اکرم ﷺ کا ارشاد دلیل ہے کہ یہ صحیح ہے اور یہ غلط۔

اس کریم نے فرمایا کہ تم سے غلطیاں ہوئیں تم سے عمل چھوٹ گیا تو اتباع نہیں کر سکتے تو اب نافرمانی چھوڑ دو۔ اب واپس آجاؤ۔ سبحان اللہ! یہ نہیں فرمایا جتنی غلطیاں کی تھیں اتنی تمہیں سزا ملے گی پھر توبہ قبول ہوگی۔ بڑا کرم ہے اس کا۔

موسیٰؑ طور پر چلے گئے۔ تیس دن کا حکم ہوا پھر وہاں حکم ہوا کہ دس دن اور لگاؤ یوں ان کا ایک چلہ بن گیا۔ چلے کے بعد پھر کتاب عطا ہوئی واپس آئے تو قوم گوسالے کو پوج رہی تھی۔ دو دھڑوں میں بٹ گئی تھی کچھ تو ہارون علیہ السلام کے ساتھ رہے اور اکثریت بچھڑا پوجنے میں لگ گئی۔ بہر حال وہ لمبا قصہ ہے۔ میں اس طرف نہیں جاتا۔ قصہ مختصر کہ بالآخر سب کو احساس ہو گیا ہم نے غلط کیا، توبہ کرتے ہیں ہم آئندہ ایسا نہیں کریں گے۔ جو ہو گیا وہ اللہ معاف فرما دے اللہ نے فرمایا معاف کر دوں گا لیکن جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ کیا وہ اپنا سر رکھیں اور جنہوں نے سجدہ نہیں کیا وہ ان کا سر کاٹ دیں میں انہیں معاف کر دوں گا۔ ہزاروں لوگ قتل ہو گئے۔ بعض تفاسیر میں ستر ہزار تعداد لکھی ہے، یعنی 7,5 لاکھ کے قریب لوگ تھے۔ ستر ہزار قتل ہو گئے۔ ستر کا لفظ کثرت کے لئے بولا جاتا ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ ستر ہزار محاورتاً استعمال کیا گیا ہو۔ ستر ہزار سے مراد بے شمار لوگوں کا مارا جانا ہے یعنی اتنے لوگ قتل ہوئے اور رضامندی سے ہوئے، سر نہیں اٹھاتے تھے۔ باپ نے اگر سجدہ کیا اور بیٹے نے نہیں کیا تو بیٹا باپ کی گردن اڑائے اور اگر بیٹے نے سجدہ کیا اور باپ نے نہیں کیا تو باپ بیٹے کی گردن اڑائے۔ موسیٰؑ رات خیمے سے باہر نکلے تو پاؤں کیچڑ میں دھنس گئے تو آپؑ نے دیکھا کہ انسانی خون سے کیچڑ بنا ہوا ہے۔ تو آپؑ نے دعا کی بار الٰہا ان جاہلوں کو معاف کر دے تو اللہ کریم نے فرمایا جو قتل ہو چکے ہیں میں انہیں شہادت کا درجہ دوں گا اور جو بچ گئے ہیں ان کی خطا معاف کرتا ہوں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں۔ آج اگر یہ شرط ہوتی کہ اگر گناہ کیے ہیں تو گردن کٹا دو معاف کر دوں گا تو کیا یہ آسان ہے؟

یارب تو کریمی و رسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

اے اللہ تو بھی کریم ہے تیرا نبی ﷺ بھی کریم ہے۔ تیرا بڑا شکر ہے کہ ہم دو کریموں کے درمیان میں آگئے۔ فرمایا، کچھ نہ کرو کفارہ نہ دو، پیسے خرچ نہ کرو، مار نہ کھاؤ، روزے نہ رکھو، بھوک پیاس نہ کاٹو، مجاہدہ نہ کرو، نفلیں نہ پڑھو، خلوص دل سے باز آجاؤ، ظاہری گناہ بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ بھی۔ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ کیا اس سے کم تر کوئی چیز ہو سکتی ہے؟ اس سے کم تر تو کوئی درجہ نہیں جو کر چکے ہو بھول جاؤ میں معاف کر دوں گا آئندہ کرنا چھوڑ دو۔ کیوں چھوڑ دو؟ اس لئے کہ میرے اللہ نے روکا ہے اور نبی کریم ﷺ کا طریقہ یہ ہے۔ جہاں ہو جیسے ہو دامانِ محمد رسول اللہ ﷺ کو تھام لو۔ جوان ہو، بوڑھے ہو چکے ہو، عمر گناہوں میں ضائع کر چکے ہو، اب تم میں گناہ کرنے کی ہمت بھی نہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ اب توبہ کرتے ہو، اب گناہ کر نہیں سکتے، کسی سے مال چھین نہیں سکتے، کسی کو لوٹ نہیں سکتے، کسی کی عزت نہیں لوٹ سکتے تو توبہ کیا؟ فرمایا نہیں! تم کسی قابل نہیں ہو، چارپائی پر مریض پڑے ہو، قریب المرگ ہو، خلوص سے توبہ کر لو، کہہ دو یا اللہ میں آج سے بس کرتا ہوں، پھر تیری اور تیرے نبی ﷺ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ بار الٰہا ہمیں معاف فرما دے اور کتنے پیار سے فرمایا ہے جھڑکا نہیں ہے فرمایا وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ ظاہری گناہ وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو بھی دِکھتا ہے اس نے برا کیا، باطن کا گناہ قلبی کیفیات ہوتی ہیں جو صرف اللہ کو معلوم ہے

مخلوق کے علم میں نہیں ہے۔ فرمایا برائی ظاہر میں ہے یا باطن میں ہر برائی چھوڑ دو۔ حدیث شریف میں ایک قصہ آتا ہے لمبا قصہ ہے مختصراً عرض کرتا ہوں کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا اس نے ننانوے بندے قتل کر دیئے، عمر بھر وہ پیشہ ور قاتل رہا ہوگا یا لڑتا بھڑتا رہا ہوگا پھر اُسے خیال آیا بڑھاپے میں کسی عالم کے پاس گیا کہ میں تو ننانوے بندے مار چکا ہوں اب کیا کروں، توبہ کروں، کوئی گنجائش میرے لئے بھی ہے؟ مولانا بپھر گئے انہوں نے کہا ظالم کے بچے اتنے بندے قتل کر کے گنجائش مانگتا ہے؟ ایک بندہ قتل کرنا گویا ساری انسانیت کا قتل ہے، ظالم کے بچے ننانوے قتل کر کے توبہ توبہ کرتا پھرتا ہے۔ وہ شاید پہلے ہی ایسا تھا تلوار ماری مولانا بھی قتل ہو گئے۔ اس نے کہا چلو سو تو پورے ہو گئے میں بخشا جاؤں گا یا نہیں میری سنچری تو بن جائے گی۔ پھر کسی اللہ کے بندے کے پاس پہنچا وہ خلش تو تھی دل میں انہوں نے فرمایا تم سمجھتے ہو سو قتل کرنے پر اللہ کی رحمت عاجز ہو جاتی ہے، بے وقوف تیرے گناہوں سے اس کی رحمت وسیع ہے خلوص دل سے توبہ کر، وہ معاف کرنے والا ہے۔ لیکن ایک بات میں یہ سمجھتا ہوں کہ توبہ کرنے اور اس پر قائم رہنے کے لئے اہل اللہ کی مجلس ضروری ہے، بدکاروں میں رہ کر توبہ سلامت نہیں رہتی اور جہاں رہ کر تو نے سو قتل کیے وہ معاشرہ یا ماحول خراب ہے وہ لوگ برے ہیں تو وہاں واپس نہ جا۔ فلاں بستی میں جا وہاں لوگ نیک ہیں، اللہ والے ہیں، توبہ کر اور ان کے ساتھ جا کر باقی زندگی بسر کر۔ وہ اس بستی کو چل پڑا راستے میں موت آ گئی اور توبہ اور موت میں اتنا ہی فاصلہ تھا کہ چند باتیں کر کے نکلا۔ راستے میں موت آ گئی تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ فرشتے آ گئے جنت کے بھی اور جہنم کے بھی۔ جہنم کے فرشتوں نے کہا یہ ہماری پکی آسامی ہے۔ جنت کے فرشتوں نے کہا تم کیا لینے آئے ہو؟ جنت کے فرشتوں نے کہا اس نے توبہ کر لی تھی۔ اب یہ تمہارا نہیں ہمارا ہے۔ تو انہوں نے دعا کی بارالٰہا ہمارے پاس اس کے سو قتل ہیں اور اس کی عمر کی ساری برائیاں ہیں اب یہ جنت کے فرشتے کہتے ہیں کہ اس نے توبہ کر لی سب معاف ہو گیا تو فیصلہ فرما۔ اللہ بڑا کریم ہے، اس کے انداز بڑے پیارے ہیں۔ اس نے حکم دے دیا کہ ایسا کرو زمین ناپ لو یہ نیکوں کی طرف جانے کے لئے نکلا ہے تو زمین ناپ لو اگر نیکوں کے قریب پہنچ گیا ہے تو پھر جنت والا ہے اور اگر درمیانی فاصلہ اس طرف زیادہ ہے جہاں سے چلا تو جہنم والے لے جائیں۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں فرشتوں کو پیمائش پر لگایا اور زمین کو حکم دیا کہ نیکوں کی طرف سے سمٹ جا اور ادھر سے پھیل جا۔ کیسا کریم ہے۔ فرشتوں کو بھی نہیں بتایا۔ فرمایا زمین کی پیمائش کر لو۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں زمین کو حکم دیا یہ میرے لئے چل تو پڑا تھا نیکوں کی طرف سے سکڑ جا اور دوسری طرف سے پھیل جا۔ اگر اس فراوانی میں بھی کوئی محروم رہے تو پھر قصور اس کا ہے۔ سو فرمایا، گناہ کا ظاہر بھی چھوڑ دو اور باطن کا بھی اور ایک بات یاد رکھو جو لوگ گناہ پر دلیر ہیں اور نہیں چھوڑتے کہتے ہیں ہماری مجبوری ہم سے نہیں چھٹتا وہ اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔ مجھ سے ایک دفعہ ایک شخص نے وضو کے بارے مسئلہ پوچھا کہ "میری عادت ہے میں وضو کرتا ہوں تو منہ دھونے کے بعد اسے تولئے سے خشک کرتا ہوں اور علماء اس سے منع کرتے ہیں کہ ترتیب سے دھو۔ پہلے عضو کے خشک ہونے سے پہلے دوسرا دھو لیکن میں یہ عادت نہیں بدل سکتا" میں نے کہا "میرے بھائی تم نے عادتوں پر عمل کرنا ہے یا حضور اکرم ﷺ کے ارشاد پر؟ دین انسانی مزاج اور عادات کا نام نہیں

ہے۔ عادتیں بدلنا ہی تو دین ہے اگر تم نہیں بدل سکتے تو تمہارا اسلام کیسا؟ سادہ سی بات ہے تمہیں اپنی عادتیں بدلنی ہوں گی اتباع کرنا ہوگا محمد رسول اللہ ﷺ کا''۔

فرمایا جو گناہ کرتے ہیں اور گناہ پر دلیر ہیں ان کی فکر نہ کرو یہ اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بِمَا کَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

جو خرافات یہ کرتے ہیں ایک ایک کی سزا پائیں گے۔ اب آگے اور وضاحت فرمادی۔ اللہ سے دوری اور گناہ کرنے کا، صدور ذنب کا بڑا سبب کیا ہے؟ دیکھو آدمی میٹھا کھاتا ہے، خوشبودار کھانا کھاتا ہے، اسے کتنی فرحت ہوتی ہے اسی کو آپ وہی گوشت جو روزانہ کھاتا ہے اس میں Smell بھی آرہی ہو آدھا کچا، آدھا پکا دے دیں تو کتنا بے لطف ہوگا۔ وہی گوشت پکا کر ٹھیک کر کے دیں کتنا لطف آئے گا۔ اسی طرح ہر گناہ برائی ہے، برائی میں سے سڑاند آنی چاہیے، نفرت پیدا ہونی چاہیے، برائی میں لذت کیسی؟ اس کا سبب بتادیا۔ فرمایا' وَلَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ

سادہ سی بات ہے حرام کھاؤ گے تو مزاج بدل جائے گا، گناہ گناہ نہیں رہے گا۔ برائی برائی نہیں لگے گی۔ برائی کر کے لطف آئے گا جس طرح گنجے کو سر کھجا کر مزہ آتا ہے اور خارش زدہ آدمی کو جسم کھجا کر۔ حالانکہ اس کا جسم پھٹ رہا ہوتا ہے خون بہہ رہا ہوتا ہے لیکن وہ خارش کئے جاتا ہے، اسے کھجانے میں مزہ آتا ہے۔

اسی طرح اگر حرام کھاؤ گے تو نیکی کرنا مشکل ہو جائے گا اور گناہ میں تمہیں لذت ملنا شروع ہو جائے گی۔ حرام چھوڑ دو وَاِنَّہٗ لَفِسْقٌ ؕ حرام کھانا اللہ کی نافرمانی ہے پھر تم نے مانا کب؟ جب تم نے اللہ کا حکم نہیں مانا تو اللہ کو کب مانا؟ اللہ کو اللہ ماننے کا مطلب تو اللہ کا حکم ماننا ہے۔ جب تم نافرمانی کرتے ہو اور اللہ کو ماننے کا دعویٰ بھی کرتے ہو تو تمہارا دعویٰ سچ ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن فرمایا شَیٰطِیْنَ من الجن والانس، انسانوں اور جنوں میں بعض لوگ شیطان کے اتنے قریب چلے جاتے ہیں کہ خود مجسم شیطان بن جاتے ہیں ان کی دوستی شیطان سے ہو جاتی ہے۔ شیطان انہیں باتیں سکھاتا ہے وَاِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِہِمْ اپنے دوستوں کو شیطان باتیں سکھاتے ہیں ان کے دل میں ڈالتے ہیں دماغ میں ڈالتے ہیں، کیوں۔ لِیُجَادِلُوْکُمْ ۚ تاکہ وہ تم سے بحث کریں۔ اب کہتے ہیں جی یہ مارک اپ ہے۔ بینک سے جو لیتے ہیں سود نہیں ہے۔ ایک دلیل یہ دیتے ہیں کہ بینک سے ہم اگر سود نہ لیں تو جو سرمایہ رکھتے ہیں مثلاً دس لاکھ رکھتے ہیں سال بعد اس کی قیمت کم ہو جاتی ہے وہ آٹھ لاکھ ہو جاتا ہے تو سود شامل ہو جائے تو کم از کم دس کا دس تو رہے گا۔ یہ ساری دلیلیں کون سی ہیں۔ فرمایا یہ دلیلیں شیطان کی ہیں جو وہ اپنے دوستوں کو سکھاتا ہے۔ سود اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔ بات ختم ہوگئی۔ اور صرف حرام نہیں قرار دیا اعلان جنگ کر دیا جو سود نہیں چھوڑے گا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔ زنا کی سزا سب سے سخت ہے کہ اسے سنگسار کر دیا جائے اور کوئی اس پر رحم نہ کھائے، پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے لیکن اس کے ساتھ اعلان جنگ نہیں ہے۔ سنگسار ہو جائے تو اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ چوری کی سزا، ڈاکے کی سزا، تمام گناہوں کی حدود مقرر ہیں، سزائیں مقرر ہیں۔ ایک سود خور ایسا مجرم ہے جس کی سزا مقرر نہیں۔ فرمایا میں جانوں اور یہ جانے میرا اور اس کا میدان لگ گیا ہے میری اور اس کی لڑائی ہے دیکھیں گے کیا ہوتا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اس کا اعلان جنگ ہے۔ اس کے باوجود دنیا سود کھا رہی ہے۔ مسلمان کھا رہے ہیں اور مزے کی بات

ہے کہتے ہیں یہ جائز ہے۔حکمران آتے ہیں تو وہ سود کا نام بدل کر مارک اپ رکھ دیتے ہیں۔ہم نے بھی موومنٹ چلائی تھی پھر وہ مطالبہ شرعی عدالت تک گیا۔ہائی کورٹ تک گیا۔شریعت بینچ نے سود کو حرام قرار دیا خواہ اس کی کوئی شکل بھی ہو۔یہی میاں نواز شریف صاحب اس وقت وزیراعظم تھے۔شرعی بینچ کے فیصلے کو انہوں نے سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا آج تک سپریم کورٹ میں نہ اس کی سماعت ہوئی ہے نہ اس پر کوئی فیصلہ آیا ہے۔اپنے وقت پر سرکاری عدالت کے فیصلے کو بھی انہوں نے تسلیم نہ کیا اور سود کا نام بدل کر مارک اپ رکھ دیا۔اس کا کوئی بھی نام رکھ لو۔خنزیر کا نام بدل دو بکرا رکھ دو، دنبہ رکھ دو، بچھڑا رکھ دو۔تو کیا خنزیر حلال ہو جائے گا؟ سود کا نام بدلنے سے حلال ہو جائے گا کہ آپ مارک اپ رکھ دیں یا کچھ اور نام رکھ دیں یا منافع رکھ دیں۔فرمایا حرام نہ کھاؤ چھوڑ دو۔وہ جانور بھی نہ کھاؤ جو تکبیر کے بغیر ذبح کیا گیا ہے۔حرام ہو جائے گا۔ جانور آپ نے اپنا خریدا، آپ نے پالا، آپ نے اس کی خدمت کی، خرچ کیا، صحت مند تگڑا جانور تھا۔چوٹ لگی مر گیا کسی وجہ سے بیمار ہوا مر گیا تکبیر نہیں پڑھی جا سکی تو یار اس میں 5 من، 7 من صحت مند گوشت ہے۔فرمایا نہیں۔مت کھاؤ، اس پر تکبیر نہیں پڑھی گئی۔ اور لاغر بکری اور کمزور دنبہ جسے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر آپ نے ذبح کیا وہ کھاؤ۔

میرے ایک دفعہ دو بیل مرے جو کم و بیش دس دس لاکھ کا ایک تھا۔وہ ان کے رکھوالے بے چارے ذبح نہ کر سکے۔رات تھی، جانور بیمار تھے۔اب دس لاکھ کا بیل ہو تو ذبح کرنے کے لئے بھی حوصلہ چاہیے۔مالک خود ہو تو کرے ملازم بے چارہ کیا کرے۔صبح وہ کہیں گے کہ وہ ٹھیک ہونے والا تھا۔تو نے ذبح کیوں کیا۔اس کشمکش میں ایک دفعہ ایک بغیر تکبیر کے مر گیا۔دوسری دفعہ دوسرا۔ دونوں اٹھا کر پھینک دیئے۔کسی نے نہیں کھائے۔حرام کھانے سے جو خون بنتا ہے جو گوشت بنتا ہے جسم کا جو حصہ بنتا ہے اعضاء و جوارح بنتے ہیں خون دل سے دماغ تک جاتا ہے سارے میں حرام کی غلاظت پھیلتی ہے اور نسبت شیطان سے ہو جاتی ہے اور شیطان گناہ پر لگا دیتا ہے۔سو فرمایا اگر توبہ کرنی ہے تو پہلے حرام بھی چھوڑ دو۔حرام کھاتے رہو گے تو توبہ کی توفیق نہ ہوگی اگر کرو گے بھی تو اس پر قائم نہیں رہ سکو گے۔چوری، ڈاکہ، جواء، ناجائز رشوت، کسی کا ناحق مال لینا یہ سب حرام ہے۔حرام چھوڑ دو اس لئے کہ حرام کھانا اللہ کی نافرمانی ہے وَاِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ اور شیطان اپنے دوستوں کو باتیں پڑھاتے سکھاتے ہیں کہ وہ تم سے بحث کریں کہ نہیں یہ اس طرح تو ٹھیک ہے۔اس طرح تو جائز ہے۔یہ اس طرح ہو سکتا ہے۔فرمایا' کسی بحث کی ضرورت نہیں جب حکم ہے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا، بات ختم ہوگئی۔اس پر بحث کی ضرورت نہیں۔کسی بحث، کسی سوچ بچار کی ضرورت نہیں ہے۔پھر ہاں ایک بات دیکھو اگر تم نے ان شیطان کے چیلوں کی بات مان لی جو تم سے کج بحثی کرتے ہیں اور بعض گناہوں کو جائز قرار دے دیا تو ایمان ضائع کر بیٹھو گے۔کیا کیا دلیلیں دی جاتی ہیں کہ یہ عورتیں جو نیم برہنہ ہو کر گاتی بجاتی ہیں یہ گانا تو روح کی غذا ہے۔وہ کون سی روح ہے جو بے حیا عورتوں کے گانے سن کر پلتی ہے وہ تو شیطانی روح ہی ہوگی۔انسانی روح تو نیکی سے حیات پاتی ہے۔اتباع رسالت سے حیات پاتی ہے۔اس نے تو زندگی حاصل کرنی ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی خاک پا سے۔آپ ﷺ کا اتباع چھوڑے گی تو مرے گی، زندہ کیسے رہے گی؟ موسیقی اس کی غذا کیسی؟ اس کے لئے تو زہر ہے ان میں روحیں بھی شیطانی گھس گئی ہیں، گانا بجانا جن کی غذا ہے یہ دیکھو یہ ان کی دلیلیں ہیں۔ہمارے ملک کے ایک نامور اور

معروف بدکار جو بدکاروں کے پیشوا بلکہ امام ہیں۔ جس طرح قرآن میں کفر کے پیشواؤں کو امام کہا گیا ہے فرمایا فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ التوبہ:12 کفر کے پیشواؤں کیساتھ جہاد کرو وہاں انہیں بھی امام کہا ہے یہ بدکاروں کے امام ہیں، وہ دلیل دے رہے تھے کہ اللہ کو اگر یہ گانا بجانا پسند نہ ہوتا تو خوبصورت سُریں کیوں دیتا، اس نے لوگوں کو خوبصورت گلے دیئے ہیں تو ظاہر ہے گانے کے لئے دیئے ہیں۔

میانوالی کا آدمی ہوتا تھا۔ گل شیر نام تھا اس کا۔ بہت غضب کا گاتا تھا۔ بڑا گویا تھا اور قدرتی تھا کوئی یہ نہیں کہ ڈوم تھا۔ خاندانی آدمی تھا۔ کاشتکار کا بچہ تھا قدرتی اس کے گلے میں اتنی لے تھی اتنا حسن تھا اس نے گانا شروع کر دیا تو جہاں یہ ٹی وی پر گانے آ رہے ہوتے تھے یا شادیوں میں لوگ گانے بجانے والے منگاتے ہیں تو وہ الگ بیٹھ کر گانا شروع کر دیتا تو لوگ وہ محفل چھوڑ کر وہاں چلے جاتے۔ ایک دفعہ ایک عالم دین کا جلسہ ہو رہا تھا۔ بڑی اچھی غضب کی تقریر ہو رہی تھی اس نے پرے بیٹھ کر گانا شروع کر دیا تو ان کے متعلقین ہی رہ گئے باقی جو عوام تھے وہ ادھر چلے گئے۔ تقریر ختم ہوئی تو مولانا اس کے پاس گئے یہ اللہ کے بندے بھی عجیب ہوتے ہیں، کوئی ہمارے جیسا مولوی ہوتا تو آگ بگولہ ہو جاتا اور کہتا یہ کافر ہے یہ مشرک ہے اس نے دین کے مقابلے میں یہ کر دیا۔ وہ اپنا پروگرام ختم کر کے اس کے پاس گئے۔ بڑے پیار سے ملے اسے گلے لگایا کہنے لگے اللہ نے تمہیں بڑی خوبصورت آواز دی ہے اور لے اور سُر دی ہے لیکن بیٹا یہ جو تم شاعروں کا اور لوگوں کا کلام گا رہے ہو اس خوبصورت آواز میں کاش! تم اس خوبصورت آواز میں اللہ کا کلام پڑھتے۔ نبی کریم ﷺ کی شان بیان کرتے۔ کتنا مزہ آتا! اس نوجوان کی زندگی بدل گئی۔ اس نے گانا چھوڑ دیا۔ اور وہ جب قرآن کی قرأت کرتا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ وقت تھم گیا پھر وہ مولانا گل شیر خان کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے اپنی دینی تعلیم مکمل کی اور ان کے بارے مشہور تھا لاکھوں کا مجمع ہوتا وہ تلاوت شروع کرتے تو Pin drop silence ہو جاتا۔ پتا نہیں ہلتا تھا۔ اونچا سانس کوئی نہیں لیتا تھا۔ یہ اللہ کے بندوں کے پاس پتہ نہیں کیا ہوتا ہے کیسے لوگ ہوتے ہیں تو ایک بدبخت نے انہیں شہید کر دیا۔ اللہ نے انہیں شہادت کا رتبہ دیا۔ تو بھئی یہ دلیلیں اس لئے تو نہیں ہیں کہ اللہ نے لے، سُر اور گلا اس لئے دیا ہے کہ فضول واہیات گانے گاؤ بلکہ اس لئے دیا ہے کہ اس کی باتیں کرو۔ اس نے حلال مال دیا ہے تو اس کے نام پر خرچ کرو اس لئے نہیں دیا کہ عیاشی کرو اور بھانڈوں، ڈوموں پر لٹا دو۔ اس نے طاقت دی ہے تو اس لئے دی ہے کہ اس کی اطاعت کرو، اس کی مخالفت اور نافرمانی کو روکو۔ اس نے خوبصورت لے اور حسین گلا دیا ہے تو اس کی تعریف کرو اس کے نبی کریم ﷺ کی تعریف کرو اس کا قرآن پڑھو، تلاوت کرو، حدیث شریف پڑھو۔ تو یہ دلیلیں کون دیتے ہیں؟ کیوں دیتے ہیں؟ فرمایا وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ شیطان اپنے چیلوں کو یہ بات سکھاتا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ بحث کریں۔ لیکن آخری بات سن لو اگر تم نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات چھوڑ کر ان بدمعاشوں کی بات مان لی اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ پھر تم مشرک ہو جاؤ گے۔ یہ سب سے بڑا شرک ہوگا کہ اللہ کی بات چھوڑ دی جائے اور اس کے مقابل کوئی بات شیطان کی یا شیطانی ٹولے کی مانی جائے تو پھر تمہارا شمار مشرکوں میں ہوگا۔ مشرکوں کے ساتھ کیا ہوگا؟ فرمایا قرآن کریم بھرا پڑا ہے وہ تفصیل وہاں پڑھ لو کہ جو شرک کرے گا اس کا انجام کیا ہوگا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اللہ ہمیں کفر و شرک کی مصیبت سے بھی بچائے، گناہ کی مصیبت سے بھی بچائے، توبہ کی توفیق دے، ہماری توبہ قبول فرمائے، نیکوں کا

ساتھ دے۔ اللہ کریم کا احسان ہے کہ اس نے رمضان میں ایک اور جمعۃ المبارک عطا کر دیا۔ یہ جمعۃ الوداع بھی ہے الحمدللہ اور یہ سعادت کی گھڑیاں ہمیں نصیب ہوگئیں۔ جمعہ ویسے بھی بڑا مبارک دن ہے پھر رمضان سب مہینوں میں مبارک مہینہ ہے۔ پھر رمضان میں جو جمعے آتے ہیں وہ بہت بابرکت ہوتے ہیں اور جمعۃ الوداع تو خصوصی اہتمام کا حامل ہے۔ صدق دل سے میں بھی توبہ کرتا ہوں۔ آپ بھی توبہ کریں اس کریم سے دعا کریں، وہ قبول فرمائے۔

☆☆☆

گذشتہ سے پیوستہ

بیان ماہانہ اجتماع 7 نومبر 2010

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

ذکر اللہ کی اہمیت

ہر کام کرتے ہوئے مقصود کتاب یہ ہے کہ زیادہ توجہ ذکر کی طرف ہو۔ یاد الٰہی ہو اور ثانوی درجے میں کام ہو رہا ہو۔ اب ہم میں سے ہر ایک اپنا اندازہ کر سکتا ہے کہ کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم نے تو ایسا سوچا بھی نہیں ہم تو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ دو چار منٹ جو ذکر کو دیتے ہیں وہی کافی ہیں۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کا ایک حجرہ یہاں حضرت علی ہجویریؒ کے مزار پر بھی ہے۔ وہاں وہ کچھ دیر مراقب رہے حضرت علی ہجویریؒ سے حصول توجہ کے لئے۔ ان کے مقبرے کے مقابل میں اسی طرح کا روضہ بنا ہوا ہے۔ جو ان کے نام سے مشہور ہے اور یہ شعر بھی غالباً انہوں نے ہی حصول فیض کے بعد کہا تھا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

تو یہاں سے اجمیر چلے گئے جب یہاں وہ مراقب رہے اور حضرت سے برکات حاصل کیں اور مراقبات کئے تو اس وقت ان کی عمر مبارک غالباً نوے سال تھی۔ اجمیر میں تیس برس رہے۔ وقت وفات آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس برس تھی۔ جو میں عرض کرنا چاہتا تھا۔ وہ لطائف کی اہمیت ہے۔ حضرتؒ کے ساتھ جب تھوڑے ساتھی ہوتے تھے۔ تو یہ باتیں بہت چلتی تھیں۔ پھر ساتھی بہت زیادہ ہو گئے تو بھی چلتی رہتی تھیں۔ لیکن اس کثرت سے نہیں تو حضرتؒ نے کسی ساتھی سے فرمایا کہ یار خواجہ صاحب سے پوچھو تو سہی کہ معمولات لطائف آپ نے کتنا عرصہ کئے تھے۔ تمام منازل ان کے بہت بلند تھے۔ عالم امر تک ان کے منازل تھے۔ منازل بالا میں تشریف رکھتے تھے تو لطائف کتنا عرصہ کیا۔ چونکہ پھر چھوٹ جاتے ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ مرض الموت میں چار دن مجھ سے چھوٹ گئے تھے۔ موت جس مرض سے میری ہوئی مرض کی شدت سے چار دن میں معمول نہیں کر سکا۔ باقی عمر بھر میں نے لطائف نہیں چھوڑے یعنی چار دن مجھے ہوش نہیں تھا۔ یا مجھ میں طاقت نہیں تھی۔ یا کمزوری تھی مرض الموت میں چار دن مجھ سے چھوٹ گئے۔ تو آپ اندازہ کیجئے کہ اس کی اہمیت کتنی زیادہ ہے اور یہی منشاء باری ہے۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ○ ق:24۔ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ ان آیات مبارکہ سے یہ مترشح ہوتا ہے۔ اللہ کو منظور یہی ہے کہ ہمہ وقت کوئی کام بھی کرو لیکن ساتھ ذکر الٰہی کی طرف متوجہ رہو۔ اور کمزوری کی وجہ سے کبھی بھول گیا ہے۔ تو وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ تو ہم میں سے جو بہت اہتمام بھی کرتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ مغرب کے ذکر کا کر لیتے ہیں۔ باقی سارا دن ہمیں خیال نہیں رہتا بھول جاتے ہیں تو میرے بھائی یہ صرف دوا نہیں ہے یہ غذا بھی ہے۔ یہ آکسیجن ہے۔ یہ مادی دوا بھی نہیں ہے۔ یہ آکسیجن ہے، آکسیجن کے بغیر آپ کتنے لمحے زندہ رہ سکتے ہیں؟ اسی طرح دل اس کے بغیر زندہ نہیں رہتا تو آپ کوشش کریں کہ صبح شام پہ مطمئن نہ ہو جائیں۔ ایک آدھ وقت پہ مطمئن نہ ہو جائیں۔ آدھے گھنٹے بیس منٹ یا ایک گھنٹے کے ذکر پر مطمئن نہ جائیں۔ بلکہ کوشش کریں کہ اپنے سارے لمحات کو ذکر سے منور رکھیں۔ جس محفل میں جائیں جو کام کریں ذکر جاری رکھیں۔ ہر جائز کام کریں لیکن ذکر کو نہیں بھولیں ایک محنت بڑھا لیجئے ارادتاً ذکر کریں۔ فطری طور پر تو انبیاءؑ نہ صرف ذاکر ہوتے ہیں بلکہ ذاکر گر ہوتے ہیں۔ پھر بھی انہیں ذکر کا حکم ہے محنت کیجئے۔ اس طرف متوجہ ہو جایئے اور اپنے سارے لمحات کو ذکر الٰہی سے روشن کیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تین راتوں کی کہانی

انور علی شاہ
راولپنڈی

مضمون کا عنوان تو من الظلمت الی النور ہونا چاہیے تھا مگر چونکہ داستان طویل ہے۔ میں نے سوچا کہ اسے مختلف عنوانوں سے کئی قسطوں میں بیان کروں۔ اس مضمون میں تین راتوں کا ذکر ہے۔ پہلی رات کو آپ بجا طور پر نفس امارہ کی واردات قرار دے سکتے ہیں۔ اور دوسری رات کو نفس لوامہ کا کرشمہ جبکہ تیسری رات کو انعام باری تعالیٰ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ مضمون کو پڑھنے سے پہلے اس حدیث کو ذہن میں رکھیں جس میں ارشاد ہوا کہ " آدمی کو پیدا کیا تو اللہ نے اپنے آپ پر رحمت کو لازم کر لیا۔" اس سے بڑھ کر اس کی رحمت کا کیا ثبوت ہوگا کہ وہ ایک خطا کار گناہگار بندے کو ظلمت سے نکال کر نور کے دھارے میں لے جائے۔ یہ مقام شکر ہے۔ حضرت امیر المکرم مدظلہٗ سے ایک بار پوچھا گیا شکر کیا ہے؟ فرمایا جب بندے کو یقین ہو جائے کہ وہ اللہ کا شکر ادا ہی نہیں کر سکتا! اب آپ کہانی سنیں اور سوچیں کہ کیا یہ کسی بندے کے لئے ممکن ہے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کر سکے۔

پہلی رات

نوجوان افسر کی جنوبی پنجاب کے ایک ضلع میں یہ پہلی پوسٹنگ تھی۔ وہ ایک لا ابالی سا نوجوان تھا جسے دین سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ شہر بھر میں اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔ اس کے لئے وقت گزارنا دشوار ہو گیا۔ چھوٹے سے شہر میں بظاہر تفریح کا بھی کوئی سامان نہ تھا۔ اس زمانے میں ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر عام نہ تھے۔ وہ دوپہر تک دفتر میں بیٹھتا اور باقی وقت ریسٹ ہاؤس میں سو کر گزارتا یا ہوا خوری کے لئے قریبی باغ میں چلا جاتا۔ نئے دوست بنانے کا وہ قائل ہی نہ تھا۔ کتابیں پڑھنے کا شوقین تھا مگر بوریت کے اس ماحول میں کتابیں کب تک ساتھ دیتیں؟

ایک رات اس نے سوچا کہ ہر شہر میں عیش و عشرت کا کچھ نہ کچھ سامان ضرورت ہوتا ہے۔ یہاں بھی یقیناً ہوگا۔ بندہ تلاش کرے تو اسے کیا کچھ نہیں مل سکتا؟ وہ ریسٹ ہاؤس سے باہر نکلا اور شہر کی سوئی ہوئی گلیوں سے گزرتا ہوا ایک ایسے بازار میں جا پہنچا جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ خوف کی ایک لہر اس کے دل سے اٹھی "اگر کسی نے دیکھ لیا تو؟" نفس امارہ نے اسے تسلی دی کہ اس شہر میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو تجھے جانتا ہو۔ آج موقع ہے جو چاہے کر گزر۔ اس نے دیکھا کہ طوائفیں گھروں کے باہر کھڑی دعوت گناہ دے رہی ہیں اور نوجوان تماشبین ادھر سے ادھر منڈلا رہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر اسے گھن آئی مگر اس پر تو ایک ہی بھوت سوار تھا کہ آج کچھ کر کے ہی لوٹنا ہے۔ بنیادی طور پر وہ ایک بزدل شخص تھا۔ ایسا بزدل جو لوگوں سے تو ڈرتا تھا۔ مگر اللہ سے نہیں۔ اللہ کو وہ مانتا تو تھا مگر اللہ کی نہیں مانتا تھا۔ یہ وجہ تھی کہ وہ یہاں تک آ پہنچا تھا۔

لمحہ بھر کے لئے اس نے سوچا کہ کیا کروں۔ چونکہ یہ اس کی پہلی "واردات" تھی دل میں ایک انجانا سا خوف تھا۔ ایسا خوف جس کو وہ بیان نہیں کر سکتا تھا۔ ابھی وہ گومگو کی حالت میں تھا کہ اس کی نظر اچانک ایک ایسے شخص پر پڑی جس کا چہرہ شناسا سا تھا۔ اس کو یاد آیا کہ

یہ شخص تو اس کے اپنے دفتر میں کام کرتا ہے۔ یا اللہ اب کیا ہوگا؟ اگر اس نے دیکھ لیا تو کل دفتر کس منہ سے جائے گا۔ وہ الٹے قدم بھاگا اور سیدھا ریسٹ ہاؤس میں پہنچ کر دم لیا۔ وہ اسی میں خوش تھا کہ عزت بچ گئی۔ وہ اپنے نصیب کو کوستا بستر پر دراز ہو گیا اور گہری نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

دوسری رات

اب وہ کافی جہاندیدہ ہو چکا تھا۔ اس نے نماز پڑھنی شروع کر دی تھی۔ کبھی کبھی قرآن کی تلاوت بھی کرتا تھا۔ پھر اس نے ترجمہ سے قرآن پڑھا۔ رفتہ رفتہ اسے روحانیت سے دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اس کا بھائی سلسلہ عالیہ میں بیعت ہو چکا تھا۔ مگر جب تک پوری طرح اطمینان قلب نصیب نہ ہو وہ کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا۔ اس کی ایک ملاقات حضرت امیر المکرم مدظلہٗ سے ہو چکی تھی۔ دلائل السلوک اور حضرت جی نمبر کا مطالعہ کر چکا تھا۔ طریقہ ذکر بھی سیکھ چکا تھا۔ مگر ذکر نہیں کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ اسے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ علم تصوف کا کوئی مرکز کہیں ہے تو وہ دارالعرفان ہی ہے اور برکات نبوی ﷺ کے امین حضرت امیر المکرم مدظلہٗ ہی ہیں۔

ایک روز وہ سرکاری دورہ پر چکوال آیا تو اس کے جی میں آیا کہ دارالعرفان میں حضرت امیر المکرم مدظلہٗ کی خدمت میں حاضری دی جائے۔ حضرت سے تو ملاقات نہ ہو سکی مگر دارالعرفان میں اس کی ملاقات حافظ غلام جیلانی اور دیگر احباب سلسلہ سے ہوئی۔ اس نے کہیں پڑھا تھا کہ ایک وقت وہ تھا جب دارالعلوم دیوبند میں چپڑاسی سے لے کر صدر مدرسہ تک سب کے سب ولی اللہ تھے۔ اسے یہی صورت یہاں نظر آئی سنت نبوی ﷺ سے چہروں کو سجائے لوگ اس کے دل کو خوب بھائے۔ اس نے دل میں سوچا اللہ کے ولی ایسے ہی ہوتے ہوں گے۔

وہ لائبریری گیا اور سلسلہ عالیہ کی کچھ کتب خریدیں تاکہ علم تصوف اور سلسلہ عالیہ کے متعلق مزید معلومات حاصل کر سکے۔ اس نے حضرت مولانا اللہ یار خانؒ کی زندگی اور مشن کے متعلق ساتھیوں سے معلومات حاصل کیں، دارالعرفان کے شب و روز کا جائزہ لیا۔ اسی اثنا میں نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔ سب نے حافظ غلام جیلانیؒ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ جب رخصت ہونے لگا تو حافظ صاحب نے فرمایا ابھی ذکر شروع ہونے والا ہے۔ آپ ذکر کے بعد جائیں۔ اسے واپسی کی جلدی تھی مگر حافظ صاحب کے کہنے پر ذکر میں شامل ہو گیا۔

حافظ صاحب نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ دوران ذکر حافظ صاحب نے اسے بھرپور توجہ دی۔ اس نے محسوس کیا جیسے اس کی روح محو پرواز ہے۔ اس پر ایک عجیب کیف اور سرور کی کیفیت طاری ہو گئی جسے الفاظ میں بیان کرنا اس کے بس میں نہ تھا۔ ذکر ختم ہوا تو اس کی حالت یہ تھی کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا دشوار تھا۔ اسے یوں لگا جیسے کسی اور جہاں کی سیر کر کے آیا ہے۔

یہ وہ رات تھی جس میں اسے لذت آشنائی نصیب ہوئی۔ اسے یقین ہو گیا کہ اگر کسی جگہ کیفیات قلبی اور برکات نبوی ﷺ نصیب ہوتی ہیں۔ تو وہ دارالعرفان ہی ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں درد دل بانٹا جاتا ہے۔ قلوب میں اللہ کا نور انڈیلا جاتا ہے۔ قلوب کا تزکیہ کیا جاتا ہے۔ یہ وہ دولت ہے جو خلوص سے آنے والے ہر شخص کو ملتی ہے۔ اب بات حق الیقین تک پہنچ گئی تھی۔ اس رات اس نے فیصلہ کیا کہ وہ یہ در کبھی نہیں چھوڑے گا۔

تیسری رات

22 رمضان صبح دس بجے وہ دارالعرفان پہنچا۔ جمعرات کا دن تھا۔ وہ صرف ایک روز کے لئے دارالعرفان آیا تھا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ اگلے روز نماز جمعہ کے بعد واپس روانہ ہوگا۔ گویا اس کا قیام

صرف ایک رات کے لئے تھا۔

نماز عشاء اور تراویح کے بعد حضرت امیر المکرم مدظلہ العالی نے ذکر کرایا۔ حضرت کا انداز بتا رہا تھا۔ کہ یہ رات لیلۃ القدر ہے۔ ذکر کے اختتام پر حضرت نے کمال شفقت فرماتے ہوئے کہا کہ اگر ہو سکے تو رات کو جاگیں۔ اب تو سب کو یقین ہو گیا کہ یہ لیلۃ القدر ہے۔ ساتھیوں نے ساری رات تسبیح و تحلیل، تلاوت قرآن، نوافل اور ذکر و مراقبات میں گزاری اور جی بھر کے قرب الٰہی کے مزے لوٹے اور ایک ایک لمحہ اللہ کی یاد میں صرف کیا۔ اس لذت بھری رات کی کیفیات کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن ہی نہیں۔ یہ اللہ کریم کا خصوصی انعام تھا جس سے بہتوں کے مقدر سنور گئے۔

وہ سوچنے لگا ایک وہ رات تھی جب وہ لذت گناہ سے بال بال بچا تھا۔ دوسری وہ رات تھی جب اسے کیفیات قلبی اور لذت آشنائی نصیب ہوئی اور تیسری رات وہ تھی جب اللہ کریم نے لیلۃ القدر کی صورت اپنے خصوصی انعام سے نوازا۔ اب اسے سمجھ آ گئی کہ پہلی رات میں حصول لذت گناہ میں ناکامی بھی دراصل اللہ کریم کی رحمت کے طفیل تھی کہ اللہ نے اسے بچا لیا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اللہ کی رحمت تینوں راتوں میں شامل حال تھی۔ بس سمجھ کا فرق تھا۔ اللہ کی ذات تو سراپا رحمت ہے۔ اس کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ جب آدمی کو پیدا کیا تو اپنے آپ پر رحمت کو لازم کر لیا۔ مگر اصل سوال یہ ہے کہ کیا ہم شکر گزار بندے ہیں؟ اس کا جواب قرآن نے دیا۔

وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ سبا:13

(اللہ کے شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں)

سالانہ پروگرام سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ 33-1432ھ بمطابق 2011ء

تاریخ	تاریخ قمری	ایام	تفصیل	کیفیت
2-1 جنوری	25-24 محرم الحرام	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	
6-5 فروری	27 صفر۔ ربیع الاول	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	اجلاس جنرل کونسل
6-5 مارچ	29-28 ربیع الاول	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	
3-2 اپریل	27-26 ربیع الثانی	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	
8-7 مئی	3-2 جمادی الاول	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	اجلاس جنرل کونسل
5-4 جون	2-1 رجب المرجب	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	
18 جون تا 24 جولائی	15 رجب۔ 21 شعبان	ہفتہ/اتوار	سالانہ اجتماع	اجلاس جنرل کونسل
21 اگست تا 31 اگست	29-20 رمضان المبارک	اتوار/بدھ	اعتکاف رمضان	
2-1 اکتوبر	3-2 ذیقعد	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	
6-5 نومبر	8-7 ذوالحجہ	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	اجلاس جنرل کونسل
4-3 دسمبر	7-6 محرم الحرام ۱۴۳۳ھ	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	

ہدایات: بروز ہفتہ احسن ہے کہ عصر کے اجتماعی ذکر میں شامل ہوں یا شام [illegible] موسم کے مطابق اپنا بستر ہمراہ لائیں۔

دستخط: حضرت شیخ المکرم مدظلہ العالی:

خوشخبری

حضرت امیر المکرم کے نو دریافت طبی نسخوں میں اضافہ

حضرت امیر المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، صحیح معنوں میں ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو ان کی دسترس سے باہر ہو۔ طب وحکمت سے تو بطور خاص ہر دور میں صوفیا عظام اور علماء کرام کو خاص شغف رہا۔ حضرت امیر المکرم بھی اس شعبہ میں پیچھے نہیں اور مختلف جڑی بوٹیوں اور قدرتی اجزاء سے ایسے نسخہ جات دریافت فرمارہے ہیں جو مختلف بیماریوں سے نجات کے لئے انتہائی موثر ہیں حال ہی میں حضرت امیر المکرم کے نو دریافت نسخہ جات میں انتہائی خوش آئند اضافہ ہوا ہے۔ ضرورت مند استفادہ کر سکتے ہیں۔

کلسٹرو کیئر
Cholestro Care — Rs.200
کلیسٹرول کو صحیح حالت پر رکھتا ہے
مالش کے لیے

پین گو
Pain Go — Rs.100
ہر طرح کے درد کے لئے مفید ہے

ہیر گارڈ آئل
Hair guard Oil — Rs.500
بالوں کی صحت کے لئے مفید ہے۔

Cough Ez — Rs.30
کھانسی کیلئے گولیاں

کیوریکس
CUREX — Rs.175
جوڑوں کے درد اور کمر کے درد سمیت ہر قسم کے دردوں کیلئے
کھانے کے لیے

ملنے کا پتہ:- دار العرفان منارہ، ضلع چکوال فون 0543-562200

17- اویسیہ ٹاؤن شپ، لاہور فون 042-35182727

utilisation, Allah swt sent His swt Prophets as, and the Holy Prophet saws was sent as the last Prophet saws for the entire mankind and was made as a source of Divine Cognition forever.

Allah swt says in a Hadith-e-Qudsi :I was present from the beginning, then I created the universe and countless creation, but nobody knew me and everything was obeying My Commands, I was a Hidden Treasure. Then I desired that there must be someone who would try to know Me and to love Me, ask for My Nearness and cry in My remembrance. Then I Created man. Thus, the essence of the creation of mankind is actually the acquisition of the Divine Cognition. But, what is the method of acquiring Divine Cognition? How and Who is Allah swt, and what are His swt Attributes and His swt Personage? The answers to all these questions are not learnt to man by birth, but this knowledge can be learned from the teachings and blessing of Allah-swt's Prophet-saws. No one else can comment about Allah-swt and nobody can describe Him-swt, because everything is His-swt creation and it is impossible for the creation to explain the Creator. All explanations by the creation would be within their own limits, while Allah swt's explanation of Himself would be without limits and a complete and true explanation. Even angels cannot dare to describe Allah swt and His swt Attributes because they don't have the potential to acquire Divine Cognition. This was manifested during the Night of Ascension, when Hazrat Jibril as said to the Holy Prophet saws at Sidrah tul Munataha, that he as could not accompany him saws beyond that point. It was only the Holy Prophet saws who was taken by his saws Rabb swt to the very heights and this was all because he saws had that natural potential which is not present even in angels. This attribute was the very special blessings of Allah swt to the Prophets as and they utilised this potential by inviting people towards Allah swt. Hazrat Nooh as preached to his as people for nine hundred and fifty years and when they settled onto the Ark during the Deluge, there were only 80 people who had accepted his as message. But he as did not lose his as heart and continued to preach, whatever he as was commanded by Allah swt.

In the same way, the Holy Prophet saws has said that no Prophet as has ever faced so much difficulties and hardships which were faced by him saws. This was indeed the Holy Prophet saws's distinction, as his saws Prophethood was also special and his saws task of extending the invitation to the True Path was also vast and included the entire mankind till the Day of Judgment. But the Holy Prophet saws had never been shaken from his saws objective and preached Allah swt's Message to people, and embraced with love and care whoever accepted the invitation.

So basically the task of acquiring the Knowledge of Divine Cognition was undertaken by man and this was indeed a great task. Allah swt is Aware about the actions of everyone and He swt has given man the time to act according to his own choice after the knowledge of Divine Cognition was revealed to him. He swt has appointed the Recording Angels so that man can see the comparison between his actions and whatever Allah swt revealed as the Truth. He swt presented the weight of the trust of His swt Cognition unto all other creations in order to leave them with no excuse on the Day of Judgment. He swt knew very well that no other creation can undertake to accomplish the task, but only to make it manifest that no other creation except the man can deliver this trust. He swt presented to all of them and only man embraced the trust.

Man, by creation, is ignorant and a wrongdoer, unless he learns the manners of leading life and acquires Divine Cognition from Allah swt. The gateway to Allah swt's Cognition and the True Knowledge is the Holy Prophet swt. If man learns the Prophetic Teachings and then practices it, only then the right of discharging the trust will be fulfilled. Contrary to this he, will only commit mistakes and injustice which will result in a loss in this world as well a loss in the Akhirah.

an enlightened scholar is dependent upon the Divine Knowledge which can only be acquired from the office of the Holy Prophet saws.

Allah swt says, I have created the capacity and power of learning Divine Knowledge in humans, and fundamentally every person, whether living in populated cities or in deserts and forests, the basic questions in his mind would be that, Who is Allah swt, where is He swt, how is His swt Personage, how are His swt Attributes? All these questions are present in every human's heart, but not in an angel's heart. Angels only do whatever they are Commanded by Allah swt. And same is the case with all the animals, plants, heavens and earths. The entire creation of Allah swt has some kind of life in it, whether it is insensible or naïve, still it is His swt creation and is conversing with Him swt.

the acquire to capacity the has heart human The and eyes these but world, this in Cognition Divine or swt Him with converse either to ability no have ears upon dependent are them of All Words. swt His heart to with blessed was who saws, Prophet Holy the people those all Akhirah in However, Prophethood. be will Blessings s' swt Allah attained have who swt Allah hear and see to capacity the awarded see and swt Allah to talk will they Jannah, In directly. the have humans nature by because swt, Him if Akhirah, in happen will what But capabilities. this in attributes these all wasted has somebody (لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ say will people Such world? بَصِیْرًا) (125:20),

"Allah swt why have You swt taken my sight, I was not blind in the world?" Allah swt would say; We have not withdrawn your sight, rather you used to discredit its purpose by involving in the forbidden acts, so it is wasted now, this is your own fault. The Hell bound people will be unable to see Allah-swt and His-swt's Blessings but not for their punishments as they would be able to see Hell and all other punishments and they will feel the pain and torture.

Therefore, humans have the capacity of Divine Cognition, but for acquiring and attaining it, every human being is dependent upon the Prophets as.

There was a scholar in Prophet Musa as's times, who used to say that whatever Musa as preaches and advises his as followers is really good, and sometimes I am convinced about his as Prophethood, but he as should only teach the illiterate and ignorant, we do not need his as knowledge, because we know everything. In fact he did not know anything and whatever he knew was the worldly knowledge and he was completely ignorant regarding the knowledge of Divine Cognition.

So, humans need the Prophetic teachings as much as they need oxygen for life or the beating of the heart. If someone is devoid of it, he is ignorant, even if possessing the entire worldly knowledge, and being ignorant, he will commit mistakes. If we observe the character of our ruling elite and ask a neutral person about their conduct, everybody is crying of their unjust behaviour and calling them unfair people. And this is not only about our present rulers; the same is true even for a very low level throughout the nation. An ordinary man is trying to steal something for worldly gain. Everybody is living with a corrupt conduct and dishonesty is the primary trait found in the myriad of the prevailing situation of our society.

Every person who is devoid of the Prophetic teachings, wherever he lives, he is living in ignorance and doing injustice. The worst of all the unjust behaviours is the ignorance about Our real Creator swt, despite so many blessings from Him swt; Who swt blessed us with the Prophetic Lights of the Holy Prophet saws and revealed the Holy Quran. Will it not be the greatest injustice to be ignorant of such a Generous Creator swt? This is indeed the greatest injustice that we are doing with to ourselves.

Different meanings have been discussed by learned scholars at great depths from this verse. I have tried to explain it in a layman's language and for the ordinary people comprehension. The simplest thing is that Allah swt has put into the human capacity the acquisition of the knowledge about Him swt, and to use that knowledge to know Him swt and to ask for His swt Nearness. This capacity of Divine Cognition was given to the human beings and for its realization and

Knowledge of Divine Cognition

Translated Speech of His Eminence Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan

July 18th, 2009

Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah

Such a perfect Code of Life, that fourteen centuries have passed, there has been no requirement of even a minor amendment, nor there will ever be. It is practicable and useful for the entire mankind. Muslims are present all over the globe and practicing this Code of Life in every country, and in all environments and there is no deficiency in it. Every problem of everyday life has a solution in it and it is practicable everywhere, in every race or tribe, and for people who are even different biologically, culturally and socially. For example, in Bengal, if someone gets sick then wheat bread is given as light food, while in Punjab and other areas boiled rice is given as light food. What an amazing difference that if someone gets sick in our part of the continent, we give boiled rice for easy digestion, whereas wheat bread is given instead of boiled rice in Bengal. And despite all these differences they have same Faith, same Azan, same Salat, same Concept of Halal and Haram, same rules of Nikah and Talaq and still there is no problem in its practice.

There is a lot of debate upon the causes of the independence of East Pakistan? Some say that it was an Indian conspiracy, others blame the People's Party or Jama'at-e Islami for mistakes but the fact was that the binding force that keeps Muslims together, i.e., Islam, was not implemented for about half a century, as law of the country and the colonial system made by the British remained imposed upon the masses, resulted in a breakup of the country. And the same is the reason for the present civil war like situation and all the terrorism in our country. The British made a colonial system for the Indian Subcontinent, because they conquered it, and they had to keep the people of the Subcontinent as slaves. This colonial system was a system of slavery from Education to Judicial System, and the System of Government was based on a single point, that the slaves have to work and the master has to collect the profit.

Sixty One years have passed and slogans are raised that we are a free and independent nation, and then the Independence Day is celebrated glamorously. Where is the independence? The same old British-made law of slavery is in force, where we all are slaves and only a few from the elite class are the rulers as substitutes for the British. Those elites are privileged to the extent that even their dogs eat a full meal while for the rest of us even a sip of drinking water is not available. During the era of British rule over the Subcontinent, whenever a British citizen was found guilty of a crime, his court proceedings were conducted in Britain. That was because the judicial system in the subcontinent was made for slaves and the British were citizens of an Independent country. The same treatment is extended to us till now.

Some people have, after much oppression, stood against all this system of injustice and have taken arms. No matter how illegal and unjust their way of fighting this system is, but there is nobody who is willing to look for the root cause of all this bloodshed. The basis for all this is this system of slavery. And no ruler among the elite comprehends it nor is anybody willing to understand. This behaviour is a trait of the ignorant. Every ignorant, despite his ignorance, neither knows the truth nor wants to learn it. A cruel and unjust person is the one who does not even try to understand the truth. Is it that the ruling class has no intention to comprehend or is it that whatever they do could be the right action?

Basically, whenever someone gets away from the Divine Knowledge, he becomes ignorant and a wrongdoer. His capacity of doing justice and of being

Majzoobi. When the longing for travel arose, Hazrat Abu Ayub Muhammad Salih gave him permission to depart from Madinah Munawwarah and he himself returned to Khurasan.

Dictating his life events to Hazrat Ji-rua, Hazrat Sultan ul Arifeen-rua said, "I made my way towards Hindustan and went as far as Delhi and then came here, it was a jungle then, it pleased me and I remained here. I never allowed anyone to come near me. After taking permission from my Shaikh I left Madinah Munawwarah and thereafter never allowed myself to look at a woman's face."

Hazrat Ji-rua wanted to know the reason for Hazrat Sultan ul Arifeen-rua's leaving Madinah Munawwarah.

"Why did you leave the (city of Madinah) Cradle of Islam, the capital of Islam and the august abode of Prophet-hood, to come here?"

He replied, "At that time I did not know. Now it has become clear that I was sent here by Allah-swt for your spiritual training".

Previously during a Maraqbah the words, "the awaited one has arrived", spoken by Hazrat Abdur Raheem-rua had been heard by Hazrat Ji-rua, but he had expressed his unawareness at uttering them. Later, it was known that these words were Hazrat Sultan ul Arifeen-rua's which were spoken during the Maraqbah through the tongue of Hazrat Abdur Raheem-rua.

After giving a short account of his life, he told Hazrat Ji-rua, "You are my attendant. Stay here. I am prepared to give Faiz (beneficence) to whoever you present before me".

After three years he made Hazrat Ji-rua a Sahib-e Majaz, but retained the reins of the Silsilah himself. Till the Silsilah was transferred to him, Hazrat Ji-rua would require confirmation from Hazrat Sultan ul Arifeen-rua before making anyone Sahib-e Majaz or presenting him for a Spiritual Bai'at (Roohani Bai'at).

What was Hazrat Sultan ul Arifeen-rua's Arabic name? As stated earlier, he was called Allah Deen, another version of Allah Diya, by the local people. He never revealed his real name, nor did Hazrat Ji-rua think it necessary to ask. Now he is known by his local name Allah Deen-rua, and due to his association with the city of the Holy Prophet-saws, the word 'Madni' has been added on. Once Hazrat Ameer al Mukarram mza was asked by the Ahbab if he could inquire as they did not have the courage to do it, but he remained silent which was an indication that this was against protocol for his Shaikh. As Hazrat Ji-rua had himself remained silent upon this matter, therefore inquiring about it now would be against respect for his Shaikh, although it could have been asked spiritually.

After Partition, different Jama'ats (parties) including some religious parties contacted Hazrat Ji-rua and offered him offices as well as monetary benefits. Hazrat Ji-rua would often recount about them: "After Partition some people from a political party came and offered me to become the Ameer of three districts. Then some other people came from another Jama'at (party). I asked my Shaikh Hazrat Sultan ul Arifeen-rua for advice and he said:

"These parties are in reality trading companies. The Masjid is their market place and the pulpit their shop. What have they to do with religion? They only serve themselves and when they find the Shari'ah opposed to their personal interests, they abandon it. You do not need to enter any party. You think you have no Jama'at. All the dwellers of Barzakh are of your Jama'at." Then he added, "Aren't you a (strong) man yourself? Don't you have a Jama'at? This is a group of the living people only, while you have the dwellers of Barzakh in your Jama'at. Work alone and rely only on Allah-swt, your Jama'at will always be with you."

Hazrat Ji-rua said, "After that I took a dislike to these parties and avoided them. However when Ahmed Shah Bokhari-rua of Chowkera heard of this he wrote a letter to me to say that he would join whatever party I joined. I wrote back that you and I are a Jama'at." Hazrat Ji-rua and Hazrat Ahmed Shah Bokhari-rua collectively worked on the magazine 'Al Farooq' and in waging Jihad against heresy and schismatic influences in Islam.

It was customary for Hazrat Ji-rua to take his devotees at least once every year to pay their respects to Hazrat Sultan ul Arifeen-rua. In 1977, a 3 day annual Ijtema' (congregation) was started and the last time that Hazrat Ji-rua came to pay his respects here was during the Ijtema' of October 1983. On arriving here it was Hazrat Ji-rua's routine to go straight to the Mazaar of Hazrat Sultan ul Arifeen-rua and stay for some time in meditation and then move on to the courtyard of the adjacent Masjid to the grave of Hazrat Abdur Raheem-rua. At the termination of the Ijtema', he would repeat this action before his departure.

May Allah-swt increase the stations of Hazrat Ji-rua's Shaikh, Hazrat Sultan ul Arifeen Khawajah Allah Din Madni-rua and send His Blessings in abundance on his final resting place where after a pause of four centuries the rebirth of the Silsilah Naqshbandiah Owaisiah took place and this time it is not restricted to a particular area but is meant for all humankind; rather for the Renaissance of Islam in the world. Ameen!

Rasool-rua (d.1893) belonged to the Qadriyah Silsilah. While Hazrat Ji-rua was still in the initial stages of Sulook he would visit his grave and not find him there, as he resided in 'Illiyeen' (one of the high places where the record of the Righteous is kept). When Hazrat Ji-rua would spiritually approach him he would be told, "Why do you disturb me, I can't meet you spiritually as I am in Illiyeen and your reach is not up to here. Come; let me do the 'Maraqbah Mootu' with you". After which he took Hazrat Ji-rua into Illiyeen.

Hazrat Ji-rua used to say: "I received the 'Maraqbah Mootu' from Mian Ghulam Rasool-rua. This Maraqbah is not among the Manazil (Stations) of Sulook; and is only a stroll to reform the Nafs and to indicate to it that events like these are going to take place."

Once Hazrat Ji-rua, while in an exalted spiritual state, exclaimed to his devotees "Look and see for yourselves the Bait ul M'amoor (the Qiblah of Angels), Sidrat ul Muntaha (the Lote tree at the farthest boundary), Lau-he Mahfooz (the Guarded Tablet) and the place where the Holy Prophet-swt was addressed by Allah-swt."

These words were enough for those devotees who were endowed with spiritual insight (Kashf), to see everything clearly. Then he showed them the Chair and said, "Remember that these places are not included in the normal stations of Sulook. These are holy places, that is why I showed them to you. Sulook is that which is received in continuity from the predecessors. It produces depth in the Qalb so much so that it can then absorb the whole world within it; while, this (showing of the holy places) is something different."

Just as Makhdoom Abdul Ghani-rua was granted the distinction of playing host to Hazrat Sultan ul Arifeen-rua, Mian Sher Muhammad-rua was granted a similar honour of hosting Hazrat Ji-rua. However, because the Mazaar of Hazrat Sultan ul Arifeen-rua is situated on the land belonging to Makhdoom Abdul Ghani-rua the honour of his hospitality extends till the Day of Judgment.

On the suggestion of Hazrat Maulana Abdur Raheem-rua, Makhdoom Karam Ilahi-rua had the trees cut from the mound and built the Mazaar of Sultan ul Arifeen rua, and then in the 1925 Land Reforms, Tehsildar Wazeer Ali, another student of Hazrat Abdur Raheem-rua donated one square of land (25 Acres) for the Mazaar. In 1978 the Masjid adjacent to the Mazaar was cemented and it was further extended in 1986.

The Makhdoom family produced many eminent Sufis. Qutb-e Madaar, Hazrat Khawajah Muhammad Shah Doola-rua arrived here from Delhi. Hazrat Sultan ul Arifeen-rua came from Madinah Sharif and resided here permanently. Despite their presence Langar Makhdoom was known as a centre of religious learning but not as a spiritual centre. The distinction to identify this hidden spring was given to Hazrat Abdur Raheem-rua, and once Hazrat Ji-rua's spiritual connection with Hazrat Sultan ul Arifeen-rua was established, this underground Fount of Beneficence burst forth.

It is Allah-swt's Practice or rule that He makes arrangements for the needs of His creation in advance. He placed the treasures of oil or uranium deep in the heart of the earth at her creation, and after millions of years we are benefitting from them. Similarly although Hazrat Sultan ul Arifeen-rua arrived here four centuries ago, he was destined to be the means of the revival of the Silsilah Owaisiah on the earth for our present times about which Shah Wali Allah-rua, writes: "Sometimes water running underground bursts forth in the form of a spring and floods the area around it."

Hazrat Sultan ul Arifeen-rua arrived here from Madinah Munawwarah and after living his natural lifespan, retired to Illiyeen taking the Silsilah along with him. Through Hazrat Maulana Abdur Raheem-rua this hidden treasure was identified and then Hazrat Ji-rua became the means of reviving the Silsilah Owaisiah once again on earth. Hazrat Ji-rua stated, "Between me and my Shaikh there was a distance of 400 years. I received beneficence and also Khilafat (succession) from my Shaikh through the Owaisiah method."

Due to respect for his Shaikh, for a long while Hazrat Ji-rua could not question him about the events of his life. In this way two or three years passed and although Hazrat Ji-rua was curious to know about the life of his Shaikh, he did not have the courage to ask him. Finally on noting the condition of his pupil, Hazrat Sultan ul Arifeen-rua himself broached the subject. "Today is Wednesday, tomorrow is Thursday; come back here on Friday with some paper and pen and I shall relate the events of my life to you."

Hazrat Ji-rua related, "Days would not pass and time seemed to drag, finally Friday arrived and I presented myself, then Hazrat Sultan ul Arifeen-rua made me write down the events of his life".

Hazrat Sultan ul Arifeen-rua belonged to the Hashemite clan and his ascendants were the attendants of the Rauza (Shrine) of the Holy Prophet-saws. In the beginning of the 10th Hijri, his Shaikh Hazrat Abu Ayub Muhammad Salih-rua arrived in Madinah Munawwarah and imparted him spiritual training up to the station of Salik al

Hayat-e Javidan

A Life Eternal (Translation)

The Makhdoom Family...(continued)

When Makhdoom Abdul Ghani-[rua], the host of Hazrat Sultan ul Arifeen-[rua] was laid to rest in this graveyard, due to the layout of the adjacent graves, proper rules of etiquette were not adhered to, and his feet pointed towards the grave of his father Makhdoom Abdul Kareem rua who was also his teacher. The next day when people returned to the graveyard, they were astonished to see that the grave of Makhdoom Abdul Ghani-rua had changed direction and his feet were no longer directly pointing towards the head of his father and teacher. To this day this grave teaches us an eternal lesson in respect, honour, reverence and veneration.

Whenever Hazrat Ji-[rua] came to Langar Makhdoom, he would visit this graveyard. Once when along with his devotees he arrived near the graveyard a strong perfume arose to welcome them. Some astonished Ahbab spoke out that the perfume was so strong that it seemed they were in a rose garden. In actual fact as Hazrat Ji-[rua] neared the graveyard the spirits of the Aulia came forward to welcome him and the devotees felt they were entering a rose garden. When they mentioned this to Hazrat Ji-[rua], he said, 'I am taking you to a garden, the Aulia Allah in this graveyard are so numerous that except in Hijaz, you will not find so many buried in the same place'. Hazrat Ji-rua instructed his pupils that if they were in the vicinity of Langar Makhdoom they should visit this graveyard.

Another Sufi saint, Khawajah Qutb Shah Doola-rua of Delhi followed Makhdoom Burhan ud Deen-[rua] to this area. His spiritual office was of a Qutb-e Madaar, and he was a Mustajaab ud Dawaat (his prayers found acceptance) Hazrat Ji-[rua] was a Mustajaab ud Dawaat as well, but for his own personal affairs, he would spiritually request Khawajah Qutb-rua to pray for him. If Khawajah Qutb-[rua] felt any doubt about the acceptance of his prayer he would request Hazrat Ji-[rua] to pray himself. This phenomenon holds true even today for prayers requested from him.

Common pilgrims to the Changharanwala graveyard are unacquainted with the grave of Khawajah Qutb Shah Doola-[rua], nor is it marked, but when the devotees of the Silsilah visit, they always request for his prayers and this was also the practice of Hazrat Ji-[rua]. He would always spend some time at the gravesite. Due to our relationship with Hazrat Ji-[rua], may Allah Kareem also include us in the prayers of Hazrat Khawajah Qutb Muhammad Shah Doola-rua! Ameen.

By mentioning the ancestors of the Makhdoom family we can assess why Hazrat Sultan ul Arifeen-rua after travelling for many years and after journeying thousands of miles, picked a far flung place like Langar Makhdoom for residing permanently. It would also not be wrong to believe that besides the illustrious ancestors of the Makhdoom family, the arrival of Hazrat Khawajah Qutb Muhammad Shah Doola-rua from Delhi, and of Hazrat Sultan ul Arifeen after him, kept the Makhdoom family firm on its noble conduct, ascertaining which Hazrat Gauth Baha ul Haq-rua dispatched his beloved daughter and son in law from Multan. In this way, for centuries this land was being prepared for the re-emergence of the Silsilah Owaisiah, according to Divine Will.

It was Makhdoom Sher Mohammad-rua (d.1954) to whom Hazrat Ji-rua had appealed while looking for his Ustad's stolen bulls. His father Makhdoom Ahmad Yar-rua was also a Mustajaab ud Dawaat and people of the area would come and ask for his prayers for their various problems. There is a famous story about when he was asked to pray for the recovery of a stolen cow. Instead of praying he told the person to gift the cow to the thief. With a heavy heart the person gifted the cow and returned home, disillusioned. After three days the cow returned back to him. Perplexed he went back to Makhdoom Ahmad Yar-rua to inform him of the return of the cow. Hearing this, Makhdoom Ahmad Yar's eyes welled up with tears and he said, Halal (the lawful) and Haraam (the unlawful) cannot exist side by side. The thief had only unlawful things at his place. You gifted him the cow which became lawful for him, and as it was impossible for it to remain among the Haraam, it came back. But I am deeply hurt that it did not return on the first day, perhaps there is some deficiency in my affairs for which I am shedding these tears of repentance.'

Makhdoom Ahmed Yar-rua's father, Mian Ghulam